محمود اور فردوسی

مصنفہ

قاضی عبدالصمد سیوہاروی

[illegible]

حق کیا جھوٹ مت کہو جھوٹ سے بچو کے لئے ہے

کتب خانہ آصفیہ سرکار عالی
٩٢٨٥٩١٥١

محمود اور فردوسی

مرتبہ

قاضی عبدالصمد فاضل دیوبند مصنف اربعین اعظم و ضروری کہانیاں و سودیشی اردو ابن قاضی ظہور الحسن ناظم متوطن سیوہارہ ضلع بجنور

اطلاع

بغیر اجازت مؤلف کوئی صاحب قصد طبع نہ فرماویں

باہتمام حکیم زکی احمد خان
در مطبع برقی پریس واقع بلیماران دہلی طبع شد
قیمت فی مجلد علاوہ محصول ڈاک ۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

عرض حال

مدت دراز سے محترم سلاطین اسلام پر مخالفین کی طرف سے اعتراضوں کی بوچھاڑ ہو رہی ہے ہر خادم اسلام کا فرض ہے کہ ان بد نما دھبوں کو دور کرنے کی سعی کرے مگر اس طرح کہ صداقت و متانت کا رشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹنے سلطان محمود غزنوی مرحوم پر جو اعتراضات ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سلطان نے فردوسی شاعر کے ساتھ وعدہ خلافی کی، اس اعتراض کے جواب میں فقیر نے برسیں گذریں کہ اخبارات میں مضامین شائع کرائے تھے جن کو ان اخبارات سے دوسرے اخباروں نے نقل کر کر کے شائع کیا، حیدر آباد کے ایک معارف نواز امیر نگری مولوی سید خورشید علی صاحب بہادر ناظم دیوانی و ملکی نے ارشاد فرمایا کہ ان مضامین کو بصورت کتاب مرتب کیا جائے۔ خاکسار نے سنہ ۱۹۲۹ء میں ان مضامین سے ایک رسالہ ترتیب دیکر از نام محمود اور فردوسی ماہرین فن تاریخ کی خدمت میں پیش کیا سب حضرات نے پسند فرمایا۔ جناب مسٹر ہارون خان صاحب شروانی

بی ۔اے آکسن بیرسٹرایٹ لا صدر شعبہ تاریخ جامعہ عثمانیہ وجناب ڈاکٹر ابن حسن صاحب پی۔ایچ۔ڈی پروفیسر تاریخ جامعہ عثمانیہ وجناب مسٹر جمیل الرحمن صاحب ایم۔اے پروفیسر تاریخ جامعہ عثمانیہ وجناب مولوی سید ہاشمی صاحب مصنف تاریخ ہندوستان نے رسالہ مذکور پر تقاریظ لکھیں جو رسالۂ مذکور کے ساتھ شائع ہوئیں۔سب کا نقل کرنا موجب طوالت ہوگا۔صرف ڈاکٹر ابن حسن صاحب کی رائے نقل کیجاتی ہے۔

وھوھذا

اس دور کے متعلق انگریزی میں جو تاریخیں مروّج ہیں ان سب میں فردوسی کا قصہ درج ہے، اکثر مصنفین نے اسے صحیح تسلیم کرنے میں تامل کیا ہے اور بعض نے ایک حد تک سلطان کی حمایت بھی کی ہے لیکن پول نے سلطان کی فیاضی اور علم پروری کی مثالیں دے کر بخل کے الزام کو رد کرنے کی کوشش کی ہے۔الفنسٹن محمود کے اس فعل کو قابل ستایش تصور کرتا ہے کہ اس نے ہجو کی پروا نہ کی، اور انعام میں مزید اضافہ کیا۔سر ولزلی ہیگ نے کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد سوم مطبوعہ ۱۹۲۸ء میں اس وعدہ خلافی کو سلطان کی بخل کے بجائے درباریوں کے حسد پر محمول کیا ہے لیکن ان سب باتوں سے اصل واقعہ کی تردید نہیں ہوتی، قاضی ظہور الحسن صاحب نے نہایت مدلل اور واضح طور پر اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ سلطان نے فردوسی سے شاہنامہ لکھنے کی فرمائش کی اور نہ کسی قسم کے انعام کا وعدہ کیا اور نہ فردوسی نے

مایوس و متاثر ہو کر ہجو لکھی۔ سلطان محمود جیسے علم پرور اور علم دوست فرمانروا پر ایک علمی معاملہ میں بخل کا الزام اور دربار کے ایک شاعر کے ساتھ وعدہ خلافی کرنا درحقیقت اس کے کیریکٹر پر ایک بدنما داغ ہے جو اس رسالہ سے قطعی طور پر دور ہو جاتا ہے۔ میرے نزدیک مصنف صاحب نہ صرف تاریخ سے واقف ہیں اور تحقیق کا شوق رکھتے ہیں بلکہ انہیں فارسی ادب پر بھی عبور حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اس قدر خوبی سے اس مسئلہ کو واضح کر سکے ہیں، ان کا یہ رسالہ تاریخ نیز ادبی حیثیت سے قابل وقعت ہے اور وہ اپنی اس کامیابی پر قابل مبارکباد ہیں)

اشاعت کے بعد ~~بیس~~ پچیس [۲۵] موقر جراید اور رسائل نے حوصلہ افزا ریویو کئے وہ تمام اخبارات نہ میرے پاس محفوظ ہیں نہ اب ان سب کے نام مجکو یاد ہیں، جو یاد ہیں یا موجود ہیں انکے صرف نام لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ تمام تبصروں کا نقل کرنا طول بیجا ہوگا، کوئی ایک رائے نقل کر دیجائے گی،

اخبارات ہمدم و سچ لکھنؤ۔ زمیندار لاہور۔ مدینہ بجنور۔ نظام گزٹ و صبح دکن، ورہبر دکن حیدر آباد، الکلام بنگلور، خلافت بمبئی۔

رسائل، اردو اورنگ آباد۔ عالمگیر و ہمایوں لاہور۔ ضیاء القریش امرتسر تاریخ حیدر آباد۔ علیگڈھ میگزین۔ معارف اعظم گڈھ۔ جامعہ دہلی

اخبار سچ لکھنو میں جناب مولانا عبد الماجد صاحب بی۔اے دریابادی اڈیٹر سچ کا تبصرہ

(مسلمان حکمرانوں کو تاریخ میں جس طرح بدنام کیا گیا ہے اس کا اندازہ ہر وہ

شخص کر سکتا ہے جس نے انگریزی دور کی لکھی ہوئی تاریخ کی دو چار کتابیں بھی دیکھی ہیں۔ نفس پرستی، حرص، سفاکی، تعصب، شقاوت، غارت گری کون سا الزام ہے جو اورنگ زیب، ٹیپو، غزنوی، غوری کے لئے اُٹھا رکھا ہے۔

قاضی ظہور الحسن صاحب ناظم سیوہاروی نے ان نیک ناموں کے دامن سے بدنامیوں کے داغ دھونے اور ان کے متعلق تاریخی اغلاط کی تصحیح کرنے کو قلم اُٹھایا ہے۔ محمود اور فردوسی خاص مؤرخانہ کاوش سے لکھا گیا ہے غزنوی کی فہرست جرائم کا ایک اہم عنوان یہ ہے کہ اس نے فردوسی سے معقول انعام کا وعدہ کر کے شاہنامہ لکھوایا اور اس کے ختم ہونے پر اپنا انعام موعود نہ دیا، اس پر فردوسی نے ناخوش ہو کر ایک ہجو کہہ دی جو گھر گھر پھیل گئی۔ جناب مؤلف نے ایک شافی و مبسوط بحث کے بعد اس روایت کے ہر ہر جز کا افسانہ ہونا ثابت کیا ہے)

فقیر نے اس کتاب کو مجلس انتخاب کتب سررشتہ تعلیم دولت آصفیہ دکن صانہا اللہ عن الشرور والفتن میں بھی پیش کیا تھا مجلس موصوف نے اس کو کتب خانوں کے لئے منظور فرمایا اس کے متعلق ایک مراسلہ انسپکٹر صاحب بہادر سررشتہ تعلیم صوبہ اورنگ آباد نے جاری فرمایا تھا وہ اس میں تحریر فرماتے ہیں۔

(مولوی قاضی ظہور الحسن صاحب ناظم نے ایک کتاب بنام محمود اور فردوسی تالیف کر کے حسب ایماء مراسلہ صدر دفتر نظامت تعلیمات نشان (۷۳۶) مورخہ ۱۳ اردی بہشت سنہ ۱۳۳۹ ف اس کا ایک نسخہ نمونتاً دفتر ہذا پر

ارسال فرمایا ہے۔ کتاب مذکورہ میں سلطان محمود غزنوی انار اللہ برہانہ اور اس کے درباری شاعر فردوسی کے معاملہ کی نہایت محنت وکاوش سے تحقیق کرکے الزامات منسوبہ کا ابطال کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ تاریخی وادبی حیثیت سے قابل وقعت ہے، آجکل اس قسم کے رسالوں کی جن میں شاہان اسلام کی بدنامی کو دور کرنے کی کوشش کیجائے بہت ضرورت ہے تاکہ مدرسین وطلبہ اصل حقیقت سے آگاہ ہوں، لہذا مدارس وسطانیہ کے کتب خانجات کیلئے اس کتاب کو خرید کرنے کی سفارش کیجاتی ہے)

چونکہ اس مسئلہ پر یہ پہلی کتاب تھی اور اخبارات ورسائل نے اس کی خوب تعریف لکھی اس لئے ہاتھوں ہاتھ نکل گئی اور فرمایشات کا سلسلہ قایم رہا جو آج تک چھ برس گذرنے کے بعد بھی قایم ہے اس کتاب کے باعث تالیف جناب مولوی سید خورشید علی صاحب نے بار بار ارشاد فرمایا کہ دوبارہ شائع کرائی جائے میں چونکہ دیگر ضروری تالیفات میں مشغول تھا، نیز اس میں اضافہ کی ضرورت بھی محسوس ہوئی۔ اس لئے میں نے جناب موصوف سے بھی عذر کردیا، الحمد للہ کہ میرے نور نظر برخوردار قاضی حسن مصطفےٰ عرف عبد الصمد سلمہ الاحد نے ضروری اضافہ اور ترمیم کے ساتھ اس کو مرتب کردیا۔ اب اس کا حجم سابق سے دوچند ہوگیا ہے۔ اور یہ رسالہ

اگر پدر نتواند پسر تمام کند

کا صحیح مصداق ہوگیا، ارباب نظر پر روشن ہوجائیگا کہ برخوردار موصوف نے بہت ہی کدو کاوش وتحقیق وتدقیق سے کام کیا ہے اور جن حضرات نے

سابقہ رسالہ ملاحظہ فرمایا ہوگا، ان کو یہ کتاب ہی دوسری معلوم ہوگی،
میں نے رسالہ سابقہ میں چہار مقالہ کے متعلق کچھ نہیں لکھا تھا، اس رسالہ میں
اس پر کافی بحث ہے اور یہ نہایت ضروری کام تھا۔ میں نے صرف ستره ۱۷
نسخوں کا پتہ دیا تھا جن سے موجودہ شاہنامہ مرتب ہوا ہے برخوردار موصوف
نے تینتیس ۳۳ نسخوں کا ذکر کیا ہے۔ میں نے فردوسی کے دیگر حالات کا ذکر نہیں
کیا تھا۔ اس رسالہ میں نہایت مختصر طور پر فردوسی کے ضروری حالات بھی ہیں
اور بعض جدید عنوان ہیں، بعض قدیم عنوانوں میں اضافہ ہے چونکہ یہ کتاب
ہی نئی کتاب ہوگئی ہے۔ اس لئے میں نے برخوردار موصوف کو اجازت دی
کہ وہ اس کو اپنی تصنیف قرار دے کر شایع کریں۔

خداوند ذی الجلال برخوردار موصوف کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور
انکی عمر اور علم و عمل و صحت و اعمال صالحہ میں برکت عطا فرمائے ع

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

حقیر فقیر
قاضی ظہور الحسن ناظم سیوہاروی
بمقام حیدرآباد دکن
مارچ ۱۹۳۵ء

علم تاریخ

اس میں شک نہیں کہ علم تاریخ انسان کے لئے ایک ضروری اورکارآمد علم ہے۔ حکیم بزرجمہر کا قول ہے (کہ علم تاریخ صحیح اور درست رائے کا معین ومددگار ہوتا ہے اس لئے کہ متقدمین کے حالات سے متاخرین کو صحیح رائے قایم کرنے کا موقع ملتا ہے) لیکن یہ نتیجہ جب ہی برآمد ہوسکتا ہے کہ تاریخ کو صحت کے ساتھ مرتب کیا جائے، بصورت دیگر بجائے نفع کے نقصان ہوگا نہیں کہا جاسکتا کہ دنیا میں کب سے اور کس صورت سے اس علم کی بنیاد پڑی اور اس نے کیسے کیسے رنگ بدلے، اب قدیم سے قدیم اس کے متعلق جو سامان نظر آتا ہے وہ پرانے زمانے کے قصص وحکایات ہیں جو زبانی روایات کے ذریعہ سے چلے آتے ہیں، ان حکایتوں میں استداد زمان و تبدل مکان سے ایسا تغیر ہوگیا ہے کہ اصل حقیقت تو معدوم ہوگئی بس قصے ہی قصے رہ گئے۔ انہیں قصص سے تاریخیں مرتب کی گئی ہیں۔

ڈاکٹر سنوبیس لکھتے ہیں (قدیم تاریخوں کا زیادہ حصہ بالکل افسانہ ہے کیونکہ ہر قوم اپنے حالات ابتدا میں کہنے سے مجبور تھی بعض واقعات زبانی ایک دوسرے سے سنکر تحریر کئے ان روایات میں تغیر و تبدل قصداً وسہواً ہوگیا ہے جو تاریخ کو حقیقت سے دور کرتا ہے۔ تاریخ ملل قدیم ص۹) یہ حالت ساتویں صدی عیسوی تک کی تاریخوں کی ہے اور ان تاریخوں کی تعداد نہایت ہی قلیل ہے۔

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث برسالت ہوئے قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا۔ قرآن میں خداوند ذوالجلال نے اپنے بندوں کو دیگر مفید امور کی طرح اس فن کی طرف اس طرح متوجہ کیا کہ امم سابقہ کے حالات بیان فرمائے اور ارشاد فرمایا لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب یعنی ان کے قصّوں میں اہل نظر کے لئے عبرت کا سامان ہے)۔

ساتویں صدی عیسوی سے مسلمانوں نے اس فن کی بنیاد اس طرح قائم کی کہ افسانہ سازی کو چھوڑ کر راست حالات لکھنے شروع کئے اگر نظر غور و انصاف سے دیکھا جائے تو اصل علم تاریخ کے وجود میں آنے کا یہی زمانہ ہے اور مسلمان ہی اس کے موجد ہیں اگر مسلمانوں کا قدم بیچ میں سے نکال دیا جائے تو علم تاریخ کا پتہ بھی نہ چلے۔

قدیم زمانے میں ریل، تار، ڈاک وغیرہ تو تھے نہیں۔ خبر رساں ایجنسیاں اور اخبارات بھی نہ تھے۔ قرب و جوار کے مقامات میں بھی پہنچنا مشکل تھا اس لئے مصنفین و مورخین جو سنتے تھے بغیر روئے و رعایت وہی لکھ دیتے تھے۔

ایسا بھی ہوتا تھا (اور اب بھی ہوتا ہے) کہ بعض لسّان سیاح قسم قسم کی حکایات واقعات خود تراشیدہ بیان کرتے تھے اور بعض واقعات میں ردوبدل کر کے بیان کرتے تھے۔ بعض واقعات زبانوں پر چڑھتے چڑھتے کچھ سے کچھ ہو کر مشہور ہو جاتے تھے۔

ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک عادل حکمران کے ملک میں کسی سیاح یا تاجر کو کچھ نقصان یا تکلیف اتفاقاً پہونچی یا کسی شبہ میں ایک رحمدل حاکم نے کسی پر سختی کی یہ مظلوم جب دوسرے ممالک میں گیا تو اس مملکت کی داستان ستم ہی بیان کی - اس طرح بہت سی بے سروپا باتیں بہت سے بے اصل امور مشہور ہو کر مصنفین تک پہونچکر ضبط تحریر میں آئے -

ہم ان مصنفوں یا اس زمانے کو کیوں الزام دیں جبکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس زمانہ میں کہ روشنی کا زمانہ مشہور ہو گیا ہے ہر قسم کی سہولتیں موجود ہیں ہر قسم کے اسباب و سامان مہیا ہیں مگر ایک شہر کی خبر دوسرے شہر تک صحیح نہیں پہونچتی - اس زمانے کی معتبر خبر رسان ایجنسیاں کئی دفعہ انور پاشا اور لارڈ کچنر کو چشمدید شہادتوں کے بیان پر زندہ کر چکے اور مار چکے ہیں - یہ کیا روزانہ خبروں کی تکذیب و تصدیق کا سلسلہ جاری ہے کسی نے خوب کہا ہے ؎

گھر سے خط آیا ہے کل ہو گیا چہلم اُن کا
پانیر لکھتا ہے ، بیمار کا حال اچھا ہے

جب اس زمانہ میں یہ حالت ہے تو ہم متقدمین کو کیوں الزام دیں -

سترہویں صدی عیسوی سے علم تاریخ میں تغیر عظیم واقع ہوا ہے یعنی اس علم کو ایسی ترقی ہوئی کہ خاص و عام اس سے واقف ہو گئے - کثرت سے تصانیف ہوئیں ، نئے نئے طرز پر کتابیں مرتب ہوئیں ، آثار قدیمہ کی مدد سے بہت سے اکتشافات ہوئے - قدیم زمانے کے شہروں ، مکانوں کے کھنڈرات

کھود کر نکالے گئے، کتبات، سکے، زیورات، برتن، آلات وغیرہ برآمد کیے گئے ان کے ذریعہ سے قرآئن قائم کرکے تاریخوں میں اضافہ کیا گیا۔ کچھ شک نہیں یہ ترقی ایسی ترقی ہے کہ جو علم تاریخ کو اس درجہ پر کبھی نصیب نہ ہوئی تھی لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ جس طرح تجسس وسعی بے پایاں سے اس علم کو بڑھایا گیا، اسی طرح اکثر مورخوں نے مذہبی یا نسلی تعصب یا کسی پالیسی کے تحت میں تاریخی روایات کو مسخ کیا اور بعض بے سر و پا افسانوں، بازاری گپوں کو اپنے اغراض کی تکمیل کے لئے تاریخی روایات کا درجہ دیا اور اس طرح علم تاریخ کے فوائد کو برباد کیا۔

ان حالات پر نظر کرتے ہوئے کسی روایت کو صحیح قرار دینے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے ماخذ پر نظر کیجائے کہ اس میں کوئی نقص تو نہیں راویوں کے لب ولہجہ کو دیکھا جائے ان کی غرض بیان پر غور کیا جائے کہ تعصب یا طرفداری کو تو دخل نہیں۔

جس شخص کے متعلق وہ روایت ہے اس کے دیگر ذاتی حالات اسکے قومی و مذہبی و ملکی مراسم و رواجات، اس کے معاصرین اور اس عہد کے حالات پر نظر کرکے اس روایت کا موازنہ کیا جائے اسقدر کد و کاوش کے بعد صحیح نتیجہ پر پہونچنا ممکن ہے۔

مورخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ صاحب علم، اہل عقل سلیم، متدین اور غیر متعصب ہو اور جو شخص علم تاریخ سے فائدہ اٹھانا چاہے اس کے لئے بھی ان اوصاف کی ضرورت ہے، اچھے اور برے، ظالم و عادل، سخی و بخیل ہر

ملک و قوم و ملت اور ہر زمانے میں ہوئے ہیں۔ اگر مورخ کے نزدیک کوئی شخص برا ثابت ہو تو اس کو ایسے انداز سے بیان کرے کہ جس سے نسلی و مذہبی تعصب توہین و تضحیک کو لگاؤ بھی نہ ہو۔ ان احتیاطوں کے برتنے کی اس وقت اور بھی زیادہ ضرورت ہے جبکہ کسی قوم کی مقتدر ہستی پر کوئی الزام آتا ہو بلکہ ایسے موقعہ پر کسی قدر حسن ظن سے بھی کام لینا چاہیئے۔

آمدم برسر مطلب

سلطان محمود غزنوی کو ہندو اور انگریز بھی مانتے ہیں کہ قرون وسطیٰ کا فاتح اعظم، بہادر، علم دوست اور سخی تھا مسلمان اس کے علاوہ اس کو مذہب اسلام کا ایک متبحر فاضل اور بزرگ بھی سمجھتے ہیں، فقہ اسلام کے متعلق اس کی تصنیف کتاب التفرید مشہور ہے جس میں ساٹھ ہزار مسایل ہیں لیکن بعض مورخین نے اس عادل و عالم سلطان کو بدنام کرنے میں ایسی کوشش کی ہے کہ جس سے زیادہ ممکن نہیں۔ بعض غیر مسلم مورخین نے دلخراش الفاظ میں سلطان پر الزام لگائے ہیں اور اس کی پروا نہیں کی کہ مسلمانوں کی کس قدر دل آزاری ہوگی ذرا وہ اپنے دل پر ہاتھ رکھکر دیکھتے کہ اگر ان کی قوم کے کسی مقتدر فرد پر اس طرح حملے کئے جاتے تو ان کا دل کیا کہتا۔

سلطان مرحوم کے متعلق محض نسلی و مذہبی تعصب اور خود غرضی کی وجہ سے بہت سی بازاری گپوں کو تاریخی درجہ دیکر اس فاتح اعظم کو بدنام کیا گیا ہے اور اس کی طرف سے نفرت پھیلائی گئی ہے۔

بعض کج فہم مصنفوں نے ان گپوں کو قومی و مذہبی صداقت کا معیار قرار دیا ہے وہ نہیں جانتے کہ اگر وہ الزامات صحیح بھی ہوں تو سلطان محمود ہوں یا کوئی اور اُن کے اقوال و افعال کا قوم و مذہب پر کیا اثر ہے۔ اسلام نے تو اس معاملہ کو بالکل صاف کر دیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے سوا کوئی شخص منزہ من الخطا نہیں اور حضور علیہ السلام کے قول و فعل کے خلاف کسی امام یا عالم کا قول معتبر نہیں بادشاہ تو کس شمار و قطار میں ہیں۔

سلطان مرحوم پر جس قدر الزامات لگائے گئے ہیں ان کا قلع قمع میرے والد ماجد مد ظلہ نے اپنی کتب غازیان ہند و تصحیح التاریخ میں اس طرح کیا ہے کہ ان کے جواب میں آج تک کسی کو لب کشائی کی جرأت نہیں ہوئی۔

سلطان مرحوم پر جو الزامات لگائے گئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سلطان نے فردوسی شاعر سے شاہنامہ نظم کرنے کی فرمائش کی اور فی شعر ایک اشرفی انعام مقرر کیا۔ جب فردوسی ساٹھ ہزار اشعار لکھ لے گیا تو سلطان بجائے اشرفیوں کے روپے دینے لگا، فردوسی ناراض ہو کر چلا آیا اور سلطان کی ہجو لکھی۔

اس روایت کو طرح طرح کی رنگ آمیزی، دل خراش عبارت و الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس زمانے میں مسلمانوں نے بھی تاریخیں تصنیف کی ہیں لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ذاتی تحقیق و تدقیق سے کام نہیں لیا۔ تقلید ہی کی بعض نے اس حکایت کو نقل کیا بعض نے چھوڑ دیا ؎

ہر کس از دستِ غیر نالہ کند
سعدی از دستِ خویشتن فریاد

بعض نے صرف اس قدر لکھنے پر اکتفا کیا کہ یہ قصہ غلط ہے لیکن مخالفین کے پیدا کردہ مفاسد کا دفعیہ اس ایک جملہ سے نہیں ہو سکتا۔ ضرورت تھی کہ اس روایت کی پوری تنقید و تحقیق کر کے دکھایا جاتا۔ اس حکایت کی تحقیق میں والد ماجد مدظلہ نے از نام محمود و فردوسی ایک کتاب ۱۹۲۹ء میں شایع کی جو اس مسئلہ پر سب سے پہلی کتاب ہے اسی کو میں اب کچھ اضافہ اور ترمیم کے ساتھ پیش کر رہا ہوں۔

اس تحقیقات کو پیش کرنے سے قبل میں اپنے مسلمان بھائیوں سے یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس قسم کے اعتراضات دیکھکر بغیر کافی تحقیق کے اُن کو شبہات میں نہ پڑنا چاہیئے اور کسی مخالف کے اعتراض یا دلخراش عبارت سے مشتعل نہ ہونا چاہیئے بلکہ اگر قدرت ہو تو معترض کے اعتراض کا جواب تہذیب و متانت کے ساتھ دینا چاہیئے اور کسی سخت متعصب و معترض سے بھی دل میں کسی قسم کی کدو کاوش نہ رکھنی چاہیئے ؎

کفر است در طریقت ما کینہ داشتن
آئین ماست سینہ چو آئینہ داشتن

ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حسن اخلاق اور تحمل کی تعلیم فرمائی ہے اور دشمنوں سے بھی نیک سلوک کی تعلیم فرمائی ہے

نمی خواہم کہ در عالم دلے از من غمیں باشد
ز فیض دوستی آگاہ فرما دشمنانم را

احقر عبد الصمد

روایت سازی

"تاریخ عالم کھلے منہ گواہی دے رہی ہے کہ دنیا میں کوئی ملک کوئی قوم کوئی مذہب ایسا نہیں جس میں اختلافات نہ ہوئے ہوں اور ان اختلافات کے سلسلہ میں مذہبی روایات اور تاریخی حکایات نہ گھڑی گئی ہوں، ایک فریق نے دوسرے فریق کی مشاہیر کی تنقیص نہ کی ہو، اہل سیف نے دشمنوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا، اہل قلم نے تالیف و تصنیف زور تحریر و تقریر سے مخالفوں کو نیچا دکھانے کی کوشش کی، اہل دول نے فریق مقابل کو زیر کرنے کے لئے پانی کی طرح دولت کو بہایا۔

ہر فریق کو اپنے خیالات ثابت کرنے اور تقویت دینے کے لئے متقدمین کے اقوال و نظایر کی ضرورت ہوئی۔ اس کی تکمیل کیلئے روایات میں تاویلات بھی کی گئیں، نئی روایتیں بھی تصنیف کی گئیں، دوسرے فریق کے مشاہیر کو نظروں سے گرانے کیلئے الزامات بھی تراشے گئے۔

اسلام میں بھی خلافت ثالثہ کے دور آخر سے اختلاف رونما ہوا یہ اختلاف کچھ دنوں تک تو سیاسی رہا پھر مذہبی رنگ پکڑ گیا اور روایت سازی کا سلسلہ شروع ہوا، روایت ساز فرقوں میں ایک فرقہ ایسا مستعد اور تیز رو تھا کہ اس نے مذہبی روایات سے بھی آگے قدم بڑھایا۔ تاریخی حکایات تصنیف کیں۔ حتیٰ کہ شعراء کے دواوین و مثنویات کو بھی تحریف سے خالی نہ چھوڑا۔

مولانا روم، حافظ شیرازی، شیخ سعدی، شمس تبریز، خواجہ عطار یہ حضرات بزرگان اہل سنت والجماعت میں سے ہیں لیکن ان کے نام سے ایسے اشعار بھی مشہور ہیں اور ان کے دواوین میں ایسا کلام بھی ہے جو سراسر اُن کے عقاید کے خلاف ہے۔

تاریخیں اور دواوین وغیرہ تو کس شمار و قطار میں ہیں علم حدیث جسکی تکمیل و حفاظت کے لئے سو سے زیادہ فنون ایجاد ہوئے جس کی حفاظت میں ائمۂ دین نے جان لڑا دی تحریف کی زد سے نہ بچ سکا۔ آج دنیا میں ہزاروں موضوع حدیثیں موجود ہیں۔ ائمۂ دین کو اس طوفان بطالت میں علوم دینیہ ہی کا بچانا مشکل ہو رہا تھا وہ اور کسی طرف کیا متوجہ ہوتے غرض دنیا میں کوئی کتاب سوائے قرآن مجید کے ایسی نہیں جو تحریف سے بچی ہو۔ سر ولیم میور قرآن مجید کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "کوئی کتاب بارہ سو برس سے ایسی نہیں ہے کہ اس کی عبارت اتنی مدت تک خالص رہی ہو" (معجزاتِ اسلام ص۱۰)

قرامطہ

مسلمانوں میں ایک فرقہ پیدا ہوا جو قرامطہ کے لقب سے مشہور ہوا اس گروہ کے آدمی روایت سازی، ریشہ دوانی، سازشوں کے علاوہ ائمہ و علما و سلاطین اہل سنت کو دغا فریب سے قتل بھی کرتے تھے۔ ان کی اس قسم کی کارروائیوں سے تاریخ کی مجلدات پُر ہیں۔ قرامطہ اور انکی

شافعوں کے اہل علم نے روایت سازی کے لئے عجیب و غریب طریقے اختیار کئے بعض اپنے نام اور تخلص وہی قرار دئے جو بزرگان و علماء و شعرائے اہل سنت کے تھے اور ان کے نام سے کتابیں اور اشعار تصنیف کرکے مشہور کئے۔ ایک شخص شافعی نام گذرا ہے اس کے قطعات حضرت امام شافعی کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ ایک جعفی المذہب شخص نے (جو فرقہ امام حسن عسکری [حاشیہ: شیعوں کے گیارہویں امام] کے بھائی جعفر کی امامت کا قائل ہے جعفی کہلاتا ہے) عطار تخلص کرکے چند نظمیں حضرت خواجہ فریدالدین عطار کے نام سے مشہور کیں۔ اسی کی تصنیف کتاب لسان الغیب ہے جو خواجہ عطار کی طرف منسوب کیجاتی ہے اس کتاب کے متعلق مرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی لکھتے ہیں۔

(اس کتاب کی لغویت اور عطار کے نام پر افترا ہونے کے راز سے ناواقف نہ رہئیے۔ مقدمہ تذکرہ عطار)

مثنوی اسرار الشہود بھی شیخ عطار کے نام پر مشہور ہے حالانکہ وہ شمس الدین محمد لاہجی اسیری کی تصنیف ہے اور اس میں اسیری نے اپنے مرشد سید نوربخش (جن کی طرف فرقہ نوربخشیہ منسوب ہے یہ مرید تھے خواجہ اسحاق ختلانی کے اور وہ مرید تھے سید علی ہمدانی کے) کی مدح کی ہے اس کا شعر ہے ع

آمدہ از غیب نامش نوربخش — بود چون خورشید بامش نوربخش

سید نوربخش اور شیخ عطار کے درمیان تقریباً دو سو برس کا زمانہ ہے خواجہ عطار کی تصانیف پر ان لوگوں کو دست درازی کا اچھا موقع ملا کیونکہ خواجہ ہی کے عہد میں ہلاکو خان نے ممالک اسلامیہ کو برباد کیا۔

اور خواجہ کی کوئی تصنیف ان کے سامنے مکمل نہ ہوئی، ان کے نام سے اب سو کتابیں مشہور ہیں بعض نے اس سے اختلاف کر کے چالیس قرار دی ہیں۔ جو کتابیں خواجہ کے نام سے مشہور ہیں، ان کی شاعری کا رنگ ایک کا دوسرے سے نہیں ملتا۔ بعض نظمیں اسقدر سست اور اغلاط آمیز ہیں کہ ان کو کسی اچھے شاعر کی طرف منسوب کرنا ظلم اور حماقت ہے۔

خواجہ کے نام سے ایک کتاب اسرار نامہ مشہور ہے مگر اس نام کی دو کتابیں ہیں اور دونوں خواجہ ہی کے نام سے مشہور کی جا رہی ہیں ایک بحر ہزج مسدس میں دوسری بحر رمل مسدس میں۔ ان کے اکثر اشعار سست ہیں بعض خواجہ کے مذہب کے خلاف ہیں۔ حق یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ایک بھی خواجہ کی تصنیف نہیں۔ کلیات عطار کا سب سے قدیم قلمی نسخہ خواجہ کے عہد سے کم و بیش ڈیڑھ سو برس بعد کا لکھا ہوا ہے۔

سلطان محمود کے متعلق کئی روایتیں شیخ عطار ہی کی تصانیف سے مشہور ہوئیں۔ مولانا رومی نے اقرار کیا ہے کہ انہوں نے کئی حکایتیں عطار کی تصنیف سے نقل کی ہیں۔

چوتھی صدی ہجری میں سلطان سبکتگین اور اس کے بیٹے محمود غزنوی نے قرامطہ اور اس کے فرقوں کی خوب گوشمالی کی۔ اس لئے قرامطہ اور اسکی شاخوں کو سلطان سے سخت عداوت تھی وہ زندگی بھر سلطان کی جان کے خواہاں رہے اور اس کے بعد اس کو بدنام کرنے کی سعی کرتے رہے۔

محمود اور فردوسی کی حکایت بھی انہیں کی ساختہ پرداختہ ہے۔ اس

امر کی شہادت شاہنامہ کے اس شعر سے بھی ملتی ہے ؎

گواہی دہم کاین سخن راز آمدست تو گوئی دو گوشم برآواز اوست

یہ رازہی خاص مذہب وعقیدہ ہے فرقہ اسماعیلیہ کا جو قرامطہ کی ایک شاخ ہے لیکن خداوند کریم نے انہیں لوگوں کے ہاتھوں سے اظہار حق کا سامان اس طرح کر دیا کہ ان روایت سازوں کو وقتاً فوقتاً سلطان کو بدنام کرنے کے لئے جو بیانات کرنے پڑے، ان میں یہ ایسے بدحواس ہوئے کہ ایک نے کچھ کہا دوسرے نے کچھ، ایک بیان دوسرے بیان کے خلاف،

اس طرح ایک یہی قصہ نہیں اس روایت سازی میں بیچارے فردوسی کے ذاتی حالات بھی ایسا گورکھ دھندا بن گئے، کہ جن کا سلجھانا اب ممکن نہیں،

اس روایت کے ہر جزو اور فردوسی کے ذاتی حالات کے متعلق جو بیانات ہیں اُن کے اختلاف کو دیکھتے ہوئے کوئی صاحب انصاف وعقل اُن پر بھروسہ کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہو سکتا،

جن کتابوں میں یہ حکایت ہے ان کے متعلق علامہ شبلی نعمانی رح نے شعر العجم میں جو اظہار رائے کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے۔ چہار مقالہ میں سخت غلطیاں ہیں، دیباچہ بایسنغر خانی لائق اعتبار نہیں دولت شاہ نے بھی بہت غلطیاں کی ہیں۔ مگر تعجب یہ ہے کہ باوجود اس تمام تحقیقات کے علامہ موصوف نے ہجو کے اشعار کو اسی طرح فردوسی کی طرف منسوب کر دیا جس طرح دوسروں نے کیا ہے اور ذرا غور و فکر سے کام نہیں لیا۔

خیر علامہ موصوف مستند مورخ اور ہندوستان میں تاریخ اسلام کے

فاضل تھے ان کی تاریخی خدمات قابل ستائش ہیں، باقی سہو ولغزشیں تو انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے وہ کوئی منزہ من الخطا نہ تھے۔

پروفیسر براؤن نے بھی تاریخ ادبیات عجم میں چہار مقالہ اور دولت شاہ پر بھروسہ کیا خود بہت کم کدوکاوش کی ہے۔

اس روایت سازی کا سب سے زیادہ افسوسناک نتیجہ یہ ہوا کہ ایران کے سب سے بڑے شاعر اور ماہر تاریخ کا وہ کلام جو اس کی بہترین یادگار تھا اس طرح مسخ ہو گیا کہ اب اس کے بعض اجزا کو ایک معمولی شاعر کا کلام اور بعض کو ایک تکبند کی تکبندی کہہ سکتے ہیں۔

تحقیق و تصنیف کرنے والوں کو اس طرف بھی نظر رکھنی چاہئے کہ فردوسی، عروضی، عوفی، عطار وغیرہ کی تصانیف کن ہاتھوں سے ہم تک پہونچی ہیں۔

محمود اور فردوسی کی حکایت

یہ حکایت مختلف تذکروں اور تاریخوں میں مختلف صورتوں سے بیان کی گئی ہے۔ کسی نے لکھا ہے کہ سلطان محمود شاہان ایران کی تاریخ نظم کرانا چاہتا تھا۔ اس نے اس خدمت پر فردوسی کو مامور کیا اور فی شعر ایک درم طلائی دینے کا وعدہ کیا جب فردوسی ساٹھ ہزار اشعار طیار کر کے لے گیا تو سلطان بجائے درہم طلا کے درہم نقرہ دینے لگا۔

کسی نے لکھا ہے کہ فردوسی خود یہ کام کر رہا تھا۔ سلطان نے سنکر پسند کیا اور وعدہ کیا پھر اس کے خلاف کیا۔ اس روایت کے ایک

ایک جزو میں قسم قسم کے اختلاف ہیں جو اپنے اپنے موقع پر مذکور ہوں گے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ یہ حکایت سب سے پہلے کس کتاب میں ہے اور کس صورت سے ہے اور وہ کتاب کس درجہ لائق اعتماد ہے۔

یہ روایت سب سے پہلے چہار مقالہ میں نظر آتی ہے جو ۵۵۰ھ ہجری کی تصنیف ہے یعنی شاہنامہ کی تصنیف سے ڈیڑھ صدی بعد کی۔

چہار مقالہ میں حکایت محمود اور فردوسی

فردوسی طوس کے ضلع کے ایک گاؤں باژ نام کا رہنے والا تھا جو نواحِ طبرستان میں ہے وہ صاحب جائداد تھا اور اپنی آمدنی سے خوش گذران کرتا تھا۔ اس کے صرف ایک لڑکی تھی۔ وہ شاہنامہ اس خیال سے نظم کرتا تھا کہ اس کے صلہ سے لڑکی کے لئے جہیز طیار کرے۔ پچیس برس تک اس کتاب کو تصنیف کرتا رہا۔ علی دیلم اور بودلف یہ دو اس کے دوست تھے اور حی قتیبہ گورنر طوس اس کا قدر دان تھا، علی دیلم نے شاہنامہ سات جلدوں میں لکھا اور فردوسی کو لیکر غزنی گیا وہاں خواجہ بزرگ احمد حسن کاتب کے ذریعہ سے سلطان کے دربار میں رسائی پائی۔ سلطان نے شاہنامہ دیکھکر اپنے مصاحبوں سے مشورہ کیا کہ فردوسی کو کیا دیا جائے۔ یہ مصاحب خواجہ بزرگ کے مخالف تھے اس لئے انہوں نے کہا پچاس ہزار درہم اور یہ بہت ہیں۔ کیونکہ فردوسی رافضی و معتزلی ہے۔ یہ شعر اس کا اس کے اعتزال کو ثابت کرتا ہے ؎

بہ بینندگان آفرینندہ را نہ بینی مرنجان دو بینندہ را

اور یہ اشعار اس کے رفض کو ثابت کرتے ہیں ؎

خردمند گیتی چو دریا نہاد برانگیختہ موج ازو تند باد
چو ہفتاد کشتی درو ساختہ ہمہ بادبانہا برافراختہ
میانہ یکے خوب کشتی عروس برآراستہ ہم چو چشم خروس
پیمبر بدو اندروں با علی، ہمہ اہل بیت نبی و وصی،
اگر خلد خواہی بدیگر سرائے بنزد نبی و علی گیر جائے
گرت زیں بد آید گناہ من ست چنیں دان و ایں راہ راہ من ست

سلطان محمود متعصب آدمی تھا بیس ہزار درم فردوسی کو دئے، فردوسی بہت رنجیدہ ہوا اور حمام میں گیا، شراب پی اور وہ روپیہ شراب فروش اور حمامی کو تقسیم کر دیا چونکہ سمجھتا تھا کہ محمود کو خبر ہوگی ممکن ہے وہ ناراض ہو کر سزا دے رات کو غزنین سے بھاگا اور ہری میں اسماعیل وراق کی دوکان میں چھ مہینے چھپا رہا۔ محمود کے سپاہی اس کی تلاش میں طوس جا کر لوٹ آئے، اب فردوسی مطمئن ہو گیا اور ہری سے طوس چلا گیا وہاں سے شاہنامہ لیکر طبرستان اسپہبد شہریار والی طبرستان (جو آل باوند سے تھا اور اس کا سلسلۂ نسب یزدجرد سے ملتا تھا) کے پاس پہونچا، محمود کی ہجو میں سو شعر لکھکر اس کو سنائے اور کہا کہ میں اس کتاب کو محمود کی بجائے تیرے نام پر معنون کرتا ہوں کیونکہ یہ تیرے آباؤ اجداد کی تاریخ ہے۔ شہریار نے اس کی مدارات کی اور کہا تیری کتاب اچھی طرح پیش نہیں کی گئی اور مخالفت کی گئی تو شیعہ ہے اور جس

بہرحال فردوسی کا مذہب شیعہ ہونا یقینی ان کے کلام سے ثابت ہے

شخص کو خاندان نبوت سے محبت ہوتی ہے اس کے دنیا کے کام نہیں نکلنے
کیونکہ ان کے خود نہیں نکلے، محمود میرا شہنشاہ ہے تو شاہنامہ اسی کے نام پہ
رہنے دے اور ہجو مجکو دے میں اس کو تلف کر دوں اور کچھ تھوڑا سا انعام
تجکو دیدوں محمود تجھکو خود بلائے گا اور رضا مند کریگا تیری محنت رائیگاں
نہ جائے گی۔ دوسرے دن اسپہبد نے فردوسی کو ایک لاکھ درہم بھیجے اور کہا کہ
بینے ہجو کا ہر شعر ایکہزار درہم کو خریدا وہ ہجو میرے پاس بھیجدے اور محمود سے
خوش ہوجا۔ فردوسی نے وہ ہجو بھیجدی شہریار نے اس کو تلف کر دیا،
فردوسی نے بھی ہجو کا مسوّدہ تلف کر دیا وہ ہجو معدوم ہوگئی مگر یہ چھ شعر رہ گئے

مرا غمز کردند کان پر سخن	بمہر نبی و علی شد کہن،
اگر مہر شان من حکایت کنم	چو محمود را صد حمایت کنم
پرستار زادہ نیاید بکار	وگر چند باشد پدر شہریار
ازین در سخن چند رانم ہمے	چو دریا کرانہ ندانم ہمے
بہ نیکی نہ بد شاہ را دستگاہ	وگرنہ مرا برنشاندے بگاہ
چو اندر تبارش بزرگے نبود	ندانست نام بزرگان ستود

آگے عروضی کہتا ہے

کہ میں ۵۱۴ھ میں نیشاپور میں تھا، امیر معزی نے کہا کہ میں نے امیر
عبدالرزاق سے طوس میں سُنا کہ ایک زمانہ میں سُلطان محمود ہندوستان
میں تھا وہاں سے واپس غزنی آرہا تھا۔ راستہ میں ایک باغی کا قلعہ تھا۔ اگلے
دن سلطان کا قیام وہاں ہونا تھا سلطان نے اس کے پاس قاصد بھیجا کہ

حاضر ہو دوسرے دن محمود بیٹھا تھا۔ اس کے پاس خواجہ بزرگ بیٹھا تھا کہ قاصد واپس آتا دکھائی دیا۔ سلطان نے خواجہ سے کہا کیا جواب لاتا ہوگا خواجہ نے یہ شعر پڑھا ؎

اگر جز بکام من آید جواب — من و گرز و میدان و افراسیاب

محمود نے کہا یہ کس کا شعر ہے خواجہ نے کہا اسی کا جس نے پچیس برس محنت کی اور کچھ پھل نہ پایا۔ فردوسی۔ سلطان نے کہا کہ میں نادم ہوں کہ وہ میرے یہاں سے محروم رہا۔ غزنین پہونچکر مجکو یاد دلانا اس کو کچھ بھیجدیا جائیگا جب غزنین پہونچے خواجہ نے یاد دلایا۔ سلطان نے ساٹھ ہزار دینار بھیجنے کا حکم دیا جب یہ خزانہ طوس پہنچا تو ایک دروازے سے شہر میں خزانہ داخل ہوا دوسرے دروازہ سے فردوسی کا جنازہ نکلا۔ طوس میں ایک شخص نے جنازہ روکا کہ یہ رافضی تھا میں اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دوں گا۔ چنانچہ فردوسی اپنے باغ میں دفن کیا گیا۔ فردوسی کی لڑکی کو وہ انعام دینا چاہا اس نے انکار کیا۔ آخر سلطان نے حکم دیا کہ یہ مال خواجہ ابوبکر اسحاق کرامی کے سپرد کردیا جائے۔ اس روپیہ سے نیشاپور اور مرو کے راستہ پر طوس کے قریب سرائے اور کنواں تعمیر کرا دیں۔ اس حکم کی تعمیل ہوئی۔

اس روایت پر نظر کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ چہار مقالہ کی جانچ کیجائے کہ یہ کتاب قابل وثوق ہے یا نہیں۔

چہار مقالہ پر نظر

اس کتاب کی حالت اس درجہ مخدوش ہے کہ کوئی صاحب علم و عقل

اس پر بھروسہ کرنے کو تیار نہیں ہو سکتا،

احمد بن عمر بن علی النظامی السمرقندی المعروف نظامی عروضی کو چہار مقالہ کا مصنف کہا جاتا ہے، نظامی عروضی کا نام بھی مشتبہ ہے بعض نے ابوالحسن نظام الدین لکھا ہے۔ بعض نے نجم الدین احمد، حمداللہ مستوفی نے تاریخ گزیدہ میں (مصنفہ سنہ ۷۳۰ھ) نظامی عروضی کے تمام تصانیف کے نام لکھے ہیں، چہار مقالہ کا نام نہیں، مجمع النوادر کا نام ہے۔

قاضی احمد غفاری نے بھی عروضی کی تصانیف میں مجمع النوادر کا نام لکھا ہے، چہار مقالہ کا ذکر نہیں کیا۔

احمد امین رازی نے تذکرہ ہفت اقلیم (مصنفہ سنہ ۱۰۰۲ھ) میں مجمع النوادر اور چہار مقالہ دو کتابیں عروضی کی تصنیف سے بیان کی ہیں۔ حاجی خلیفہ نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

رضا قلی خان نے مجمع الفصحا میں مجمع النوادر اور چہار مقالہ کو ایک ہی کتاب قرار دیا ہے اس وجہ کہ حمداللہ مستوفی نے مجمع النوادر کے جو بیان نقل کئے ہیں وہ سب چہار مقالہ میں موجود ہیں اس لئے یہ سمجھا گیا کہ مجمع النوادر اور چہار مقالہ ایک ہی کتاب کے دو نام ہیں۔

اس میں تو شک نہیں کہ مجمع النوادر عروضی کی تصنیف ہے لیکن چہار مقالہ کا معاملہ مشتبہ ہے کیونکہ قدیم تذکرہ نویس مستوفی و غفاری چہار مقالہ کا نام ہی نہیں لیتے۔

یہ ممکن ہے کسی نے مجمع النوادر کے بیانات ملا کر ایک کتاب چہار مقالہ نام

مرتب کر کے عروضی کے نام سے مشہور کر دی ہو اور مجمع النوادر معدوم ہو گئی ہو عروضی کے نام پر کئی چیزیں اسی طرح مشہور ہیں۔ بعض تذکرہ نویسوں نے اس کے نام سے چند اشعار و قطعات لکھے ہیں۔ لیکن محققین نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ عروضی کے نہیں رودکی کے ہیں بعض نے مثنوی ویس و رامین کو اس کی تصنیف بتلایا ہے بعض اسکو نظامی گنجوی کی، بعض نے فخری گرگانی کی تصنیف لکھا ہے۔ اکثر محققین کی رائے ہے کہ یہ مثنوی اسعد گورگانی کی ہے اسی طرح ممکن ہے کہ چہار مقالہ بھی عروضی کے سر منڈھا گیا ہو۔

چہار مقالہ کو ۵۵۲ھ کی تصنیف قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں کتاب مقامات حمیدی کا ذکر ہے جو ۵۵۱ھ کی تصنیف ہے اور سلطان سنجر ابن ملک شاہ کے لئے دعائے درازیٔ عمر ہے اس سلطان کا عہد حکومت ۵۵۲ھ تک ہے۔

چہار مقالہ مرتبہ محمد بن عبد الوہاب قزوینی مطبوعہ یورپ کے ٹائٹل پر لکھا ہے (در حدود ۵۵۰ھ) اور مقدمہ میں لکھا ہے (۱) تاریخ تالیف چہار مقالہ اگرچہ در ضمن کتاب مذکور نیست ولے قطعاً مؤخر از سن (۵۵۲) کہ سال وفات سلطان سنجر سلجوقی است نبودہ چہ از ضمن کتاب معلوم می شود کہ سلطان سنجر در وقت تالیف کتاب در حیات بودہ است، از جملہ در صفحہ (۴۰) در حق وے اینطور دعا می کند اطال اللہ بقاءہ وادام اللہ الی المعالی ارتقاءہ و در صفحہ (۷۸) در حق وے و سلطان علاؤ الدین غوری اینطور خلد اللہ ملکہما و سلطانہما

چہار مقالہ کے تین قدیم نسخے ہیں ایک قسطنطنیہ میں ہے جو ۸۳۵ھ کا

کا لکھا ہوا ہے، دو نسخے برٹش میوزیم میں ہیں ان میں سے ایک سنہ ۱۰۱۸ھ کا
اور دوسرا سنہ ۱۲۷۴ کا لکھا ہوا ہے تینوں میں بہت اختلاف ہے۔
اول الذکر نسخہ سب سے قدیم ہے یہ تصنیف سے (۳۰۴) سال بعد کا لکھا ہوا ہے
مطبوعہ قدیم نسخہ طہران کا ہے جو سنہ ۱۳۰۵ھ میں طبع ہوا۔ اس میں بیجا
تصرفات و غلطیاں ہیں۔ اس کے متعلق لکھا ہے وناشران تصرفات
بسیار نمودہ) یہ نسخہ چار نسخوں سے مرتب کیا گیا تھا۔ اس میں مذکور ہے کہ
ان چاروں میں اختلاف تھا (مقدمہ چہار مقالہ مطبوعہ سنہ ۱۹۰۹ء)
مرزا محمد بن عبد الوہاب قزوینی نے ایک نسخہ مرتب کیا تھا۔ اس میں
تصحیح کی بیجد کوشش کی، مفید حاشئے لکھے، اصل کتاب کی غلطیاں
ظاہر کیں۔

چہار مقالہ کی بعض غلطیاں

(۱) اسکافی کو نوح بن منصور بن نوح بن نصر بن احمد سامانی کا دبیر
لکھا ہے حالانکہ وہ نوح بن منصور کے دادا نوح بن نصر کا دبیر تھا اور نوح
ابن منصور کی تخت نشینی سے بیس سال قبل مر چکا تھا۔
(۲) سلطان البتگین کو نوح بن منصور کا معاصر لکھا ہے۔ نوح بن منصور
سنہ ۳۶۶ھ میں تخت نشین ہوا اور البتگین سنہ ۳۵۴ھ میں مرا۔
(۳) لکھا ہے کہ سبکتگین نے سیمجوریوں کے ساتھ مل کر البتگین کے
خلاف خراسان میں جنگ کی، حالانکہ البتگین اس جنگ سے بیس سال
قبل مر چکا تھا۔ اور سبکتگین نے خود سیمجوریوں پر چڑھائی کی تھی یہ سلطنت

غزنین کا مشہور مسلمہ واقعہ ہے۔

(۴) لکھا ہے کہ سامانیوں کے عہد کے ایک سردار ابو علی احمد بن محتاج چغانی نوح بن منصور کا معاصر تھا اور سبکتگین کی لشکر کشی کے وقت زندہ تھا۔ ابو علی احمد مذکور نہ نوح بن منصور کا معاصر تھا نہ سبکتگین کی جنگ کے وقت زندہ تھا۔

(۵) ماکان بن کاکی کو نوح بن منصور کا معاصر لکھا ہے حالانکہ وہ اس کے پردادا نصر بن احمد سامان کے عہد میں تھا اور نوح بن منصور کے سن جلوس سے (۳۹) سال قبل مر چکا تھا۔

(۶) ماکان بن کاکی کے ساتھ جس سردار نے جنگ کی تھی اس کا نام تاش لکھا ہے مورخین بالاتفاق لکھتے ہیں کہ ابو علی احمد بن محتاج نے ماکان سے جنگ کر کے اس کو قتل کیا۔

(۷) حسن بن سہل کا لقب ذوالریاستین لکھا ہے اور اس کو خلیفہ مامون کی بیوی بوران کا باپ لکھا ہے حالانکہ ذوالریاستین فضل بن سہل کا لقب تھا اور حسن ہی بوران کا باپ تھا۔

(۸) لکھا ہے کہ خلیفہ المسترشد باللہ نے سلطان سنجر کے خلاف لشکر کشی کی حالانکہ خلیفہ نے سلطان مسعود سلجوقی کے خلاف لشکر کشی کی تھی اور لڑائی میں شکست کھا کر گرفتار ہوا۔ خراج دینے کا وعدہ کیا لیکن وہیں قتل کیا گیا

(۹) ملوک جابیہ ماوراالنہر کے ایک سردار ایلک خان کو بغراخان لکھا ہے اور بغراخان کو سلطان محمود کا ہمعصر لکھا ہے حالانکہ سلطان محمود کا ہمعصر

ایلک خان تھا اس کو محمود نے شکست دیکر جیحوں کے پار بھگا دیا۔ بغرا خان اس کا باپ تھا جو نوح بن منصور سامانی کے عہد میں گورنر خراسان تھا۔

(۱۰) یعقوب ابن اسحاق کندی مشہور عرب فلسفی کو یہودی لکھا ہے حالانکہ یعقوب مشہور عربی اسلامی خاندان کا آدمی تھا۔ حضرت اشعث ابن قیس صحابی کی اولاد سے تھا۔ اس کے آباؤ اجداد خلفائے بنی امیہ و خلفائے بنی عباس کے عہد میں گورنر رہے تھے۔ اور یعقوب کے متعلق ایک بے بنیاد حکایت لکھی ہے۔

(۱۱) مشہور طبیب محمد بن ذکریا رازی کو منصور بن نوح سامانی کا معاصر لکھا ہے حالانکہ وہ منصور کی تخت نشینی سے تیس سال قبل مر چکا تھا اور اس کے متعلق ایک بے بنیاد حکایت لکھی ہے۔

(۱۲) شیخ بوعلی سینا کو علاؤ الدین کا وزیر لکھا ہے حالانکہ شیخ سلطان شمس الدولہ دیلمی کا ہمدان میں وزیر تھا۔ اور ۴۲۸ھ میں مرا۔

(۱۳) خواجہ نظام الملک طوسی کا بغداد میں قتل ہونا بیان کیا ہے۔ حالانکہ بالاتفاق وہ نہاوند میں قتل ہوا

(۱۴) عروضی صاحب چہار مقالہ کا مربی شہزادہ ابوالحسن بن مسعود ہے یہ شہزادہ کبھی بادشاہ نہیں ہوا۔ چہار مقالہ اسی کے نام پر معنون ہے لیکن اس کو بجائے شہزادے کے بادشاہ لکھا ہے (بادشاہ وقت امروز افضل بادشاہان وقت است) بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ بادشاہ سے مراد شہزادہ ہے، اس مراد کی رکاکت ظاہر ہے اس پر کچھ لکھنے کی حاجت نہیں ہے

آگے چل کر خود ہی لکھتا ہے (ہیچ بزرگے برخوردار تر ازین ملک (شہزادہ) نیست موہبت جوانی حاصل است و نعمت تندرسی برقرار، پدر و مادر زندہ، برادران موافق بر یمین و یسار چگونہ پدرے چون خداوند ملک معظم موید مظفر منصور فخر الدولۃ والدین خسرو ایران ملک الجبال) باپ زندہ تھا تخت پر تھا۔ پھر بیٹے کو بادشاہ وقت لکھنا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔ اس نمبر کی تحت خط عبارتوں کو دیکھکر یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ عبارت کسی فاتر العقل نے لکھی ہے یہ شہزادہ فخر الدین مسعود ابن اعز الدین حسین اول بادشاہ بامیان کا بیٹا تھا۔ یہ خود کبھی بادشاہ نہیں ہوا۔ اس شہزادہ کے دوسرے بھائی کا نام محمد بن مسعود تھا۔

(۱۵) سود کی شاعر کے متعلق لکھا ہے کہ (تواند گفتن بدین عذبی کہ او در مدح ہمی گوید درین قصیدہ ؎ آفرین و مدح سود آید ہے:

گر بگنج اندر زیان آید ہمیں۔ و اندرین بیت از محاسن ہفت صنعت است اول مطابق دوم متضاد، سوم مرادف چہارم بیان مساوات پنجم عذوبت ششم فصاحت ہفتم جزالت و ہر استادے کہ او را در علم شعر تجربے است چون اندکے تفکرے کند داند کہ من درین مصیبم)

اس عبارت میں کئی غلطیاں ہیں

پہلی تین صنعتوں مطابق، متضاد، مرادف کو لفظ صنعت سے اور باقی چار بیان مساوات و عذوبت و فصاحت و جزالت کو لفظ مصدر سے تعبیر کرنا صحیح نہیں کیونکہ اگر مراد نفس صنعت کی تعداد ہے تو کل صنایع کو لفظ مصدر سے ظاہر کرنا چاہیئے تھا اور اگر مقصود شمار ہے کہ یہ صنعتیں اس میں ہیں تو سب کو

لفظ صنعت سے ذکر کرنا چاہئے تھا۔

مطابق و متضاد علیحدہ علیحدہ دو صنعتیں نہیں اس لئے کہ ضدّین یا اضداد کا جمع کرنا ایک صنعت معنوی ہے۔ مطابقۃ۔ تضاد۔ تکافو، طباق یہ چار نام اسی ایک صنعت کے ہیں اور اصطلاح علم بدیع میں یہ مترادف الفاظ ہیں۔

فصاحت کا صنایع میں شمار کرنا صحیح نہیں۔ علمائے بیان و معانی میں سے آج تک کسی نے فصاحت کو صنایع میں شمار نہیں کیا۔ فصاحت نظم و نثر کے لوازم میں سے ہے۔ صنایع میں نہیں۔

نمبر ۱۴ و ۱۵ میں ایسی غلطیاں ہیں جو کم علم یا بد حواس کر سکتا ہے۔ عروضی جیسے مسلم الثبوت استاد کا یہ کام نہیں۔

نمبر ۱ لغایت ۱۳ میں جو غلطیاں ہیں وہ تمام متداول کتب تاریخ سے ثابت ہیں ان میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں۔

نمبر ۱ سے ۱۵ تک جو غلطیاں لکھی گئیں ہیں صرف یہی نہیں چہار مقالہ میں بہت سی غلطیاں ہیں یہ مشتے نمونہ از خروارے ہے باقی کو بخوف طوالت نظر انداز کیا گیا۔

غرض چہار مقالہ کے حالات اور تاریخ بتاتی ہے کہ اس میں تحریف و تصرف کا بہت دخل ہے اور تاریخی و ادبی غلطیاں بھی بہت ہیں اور عروضی سے اس کی نسبت صحت کے ساتھ ثابت نہیں اس لئے کسی طرح قابل وثوق نہیں

حکایت پر نظر

قرائن ذیل اس طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ فردوسی والی حکایت عروضی کی لکھی ہوئی نہیں۔ اس لئے کہ اس حکایت کی عبارت سست ہے چہار مقالے کی حکایتوں کی دوسری عبارتوں سے نہیں ملتی۔ عروضی کی عبارت نہایت چست اور شستہ ہوتی تھی۔ چہار مقالہ کے مختلف مقامات سے بطور نمونہ و مقابلہ دو عبارتیں نقل کیجاتی ہیں (۳) پر فردوسی والی حکایت کی عبارت نقل کیجاتی ہے اہل نظر بلا تامل بول اُٹھیں گے کہ (۱ و ۲) کی عبارت جس شخص کی ہے (۳) کی عبارت اس کی نہیں۔ اس فرق کو وہی اصحاب محسوس کر سکتے ہیں جو درایت میں کافی مہارت رکھتے ہوں۔ درایت ایک خاص ملکہ ہے جو ایک فن میں تبحر حاصل ہونے سے پیدا ہوتا ہے، ایک شعر سنکر صاحب درایت وثوق سے کہہ سکتا ہے کہ یہ شعر فلاں شاعر کا ہو سکتا ہے یا نہیں جس طرح صرّاف کی نظر سونے کو کسوٹی پر لگانے سے پہلے تاڑ جاتی ہے کہ یہ سونا کس درجہ کا ہے اسی طرح فارسی ادب میں جن اصحاب کو یہ ملکہ ہوگا۔ وہ تسلیم کریں گے کہ (۳) کی عبارت (۱ و ۲) کے ہم پلّہ نہیں۔

(۱) عشقے کہ سلطان یمین الدولہ محمود را بر ایاز ترک بودہ است معروف است و مشہور آوردہ اند کہ سخت نیکو صورت نبود لیکن سبز چہرہ شیریں بودہ متناسب اعضاء و خوش حرکات و خردمند و آہستہ و آداب مخلوق پرستی او را عظیم دست دادہ بودہ است و دراں بارہ از نادرات زمانہ خویش بودہ است

واین ہمہ اوصاف آن ست کہ عشق را بعث کند و دوستی را بر قرار دارد، و
سلطان یمین الدولہ محمود مردے دیندار متقی بود۔

(۲) غایت فصاحت قرآن ایجاز لفظ و اعجاز معنی است و ہر چہ فصحا و
بلغا را امثال این تضمین آمادہ است تا بدرجہ ایست کہ وحشت ہمی آرد
وعاقل و بالغ از حال خویش ہمی بگردد و آن دلیلے واضح از حجتے قاطع بہ آنکہ
این کلام از مجاری نفس ہیچ مخلوقے نرفتہ است۔

(۳) اُستاد ابوالقاسم فردوسی از دہاقین طوس بود از دیہے کہ آن دیہہ را
باز خوانند و از ناحیت طبرستان است بزرگ دیہے است و از وے
ہزار مرد بیروں آید فردوسی دران دیہہ شوکتے تمام داشت چنانکہ بدخل
آن ضیاع از امثال خود بے نیاز بود۔

اس کے علاوہ چہار مقالہ میں کئی موقعوں پر سلطان محمود کا نام آیا ہے
ہر جگہ اس کا نام تعظیم سے لکھا ہے۔ سلطان یمین الدولہ محمود لکھا ہے
تعریف لکھی ہے (مرد متقی دیندار) مگر فردوسی والی حکایت میں سلطان
محمود اور محمود ہے اور بجائے تعریف کے ہجو کے طور پر لفظ متعصب لکھا ہے
اس لئے گمان غالب ہے کہ یہ حکایت اس شخص کی لکھی ہوئی نہیں جس نے
وہ دوسری حکایتیں لکھی ہیں۔ یہ کسی روایت ساز متعصب کی کارگزاری ہے
اگر خواہ مخواہ اسی پر زور دیا جائے کہ یہ حکایت عروضی ہی کی لکھی ہوئی
ہے تو میں کہتا ہوں کہ یہ پھر بھی قابل اعتماد نہیں کیونکہ عروضی شاہان آل شنسب
(ترکوں کی نسل سے ایک شخص شنسب نام تھا وہ حضرت علی کے ہاتھ پر مسلمان

ہوا تھا۔ اس کی نسل سے دو خاندان تھے، ایک غور پر حکمران تھا جس کا پایہ تخت فیروز کوہ تھا۔ دوسرا غور کے شمال میں طخارستان پر حکمران تھا، انکا دارالحکومت بامیان تھا۔ نظامی عروضی سلاطین بامیان (اس کے حالات نورالدین محمد عوفی نے اپنی کتاب لباب الالباب میں لکھے ہیں۔ یہ کتاب ۶۱۷ھ کی تصنیف ہے) کا درباری شاعر تھا۔ غوریوں اور غزنویوں کی عداوت مشہور ہے ممکن ہے اس نے اپنے سلاطین کے خوش کرنیکے لئے یہ حکایت گھڑی ہو۔

روایت پر نظر

اس روایت کے دو حصے ہیں ایک ہجو کے اشعار تک، دوسرا وہ جسکو عروضی نے امیر معزی کے حوالے سے بیان کیا ہے

پہلے حصہ کے متعلق عروضی کوئی سند نہیں پیش کرتا کہ اس نے کس سے سنا یا وہ کہاں سے نقل کر رہا ہے جس طرح دوسرے حصہ کے متعلق امیر معزی کا نام لیتا ہے اس سے پہلے یہ روایت کہیں نظر نہیں آتی۔

مورخین عرب نے سلطان محمود کی تاریخیں اس طرح لکھی ہیں کہ جزئیات کا استقصا بھی کیا ہے یہ تاریخیں موجود ہیں۔ ان میں کسی میں یہ کہانی نہیں عینی ایرانی مورخ سلطان کے عہد میں تھا وہ بھی اس کا ذکر نہیں کرتا۔

(الہند والہم من مقالہ مقبولہ او مرذولہ) کا مصنف سلطان کا ہمعصر بھی ہے اور مخالف بھی ہے۔ نہایت سختی سے سلطان پر نکتہ چینی کرتا ہے اور جا بجا سلطان کو برا بھلا کہتا ہے لیکن اس واقعہ کا ذکر نہیں کرتا اگر یہ امر واقعہ ہوتا

تو اس مصنف کے لئے اچھا مشغلہ تھا اور یہ بڑے شد و مد سے اسکو بیان کرتا۔ غرض ڈیڑھ صدی تک کوئی اس کا ذکر نہیں کرتا (۱۵۲) برس کے بعد عروضی بغیر سند کے اس کو بیان کرتا ہے۔

اس روایت میں ہے کہ فردوسی اپنے وطن میں صاحب شوکت اور فارغ البال تھا اس کا یہ بیان فردوسی کے بیان کے خلاف ہے۔ وہ خود اپنی غربت اور افلاس کا رونا روتا ہے ؎

ودیگر کہ گنجم وفادار نیست　　مرا این رنج را کس خریدار نیست
مرا دخل و خورا ر برابر بدے　　زمانہ مرا چون برادر بدے

خواجہ بزرگ احمد حسن میمندی کو سلطان کا کاتب لکھا ہے، اس نام کا کوئی میمندی اس زمانہ میں سلطان کے دربار میں نہ تھا۔

حسن میمندی سبکتگین کا درباری تھا جب سبکتگین نے قصبہ بست فتح کیا تو ضبط اموال پر اس کو مامور کیا۔ اس میں خیانت ثابت ہوئی۔ سبکتگین نے اس کو قتل کرا دیا

احمد میمندی سلطان محمود کا رضاعی بھائی تھا یہ ۴۰۷ھ میں وزیر بنایا گیا (عتبی) گویا فردوسی اور شاہنامہ کے واقعہ سے سات برس بعد فردوسی اور محمود کی کہانی لکھنے والوں نے اس کو خارجی لکھا ہے، حالانکہ یہ سنی تھا۔ ان قصہ نویسوں نے خود سلطان کو بھی خارجی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ہجو کے جو اشعار ہیں وہ اس کو ثابت کرتے ہیں کہ سلطان خارجی عقیدہ کا آدمی تھا اور فردوسی سے اس وجہ سے ناخوش ہوا کہ اس کو حضرت علی کی

محبّت تھی۔

اس روایت میں انعام کم دینے کی وجہ سلطان کا تعصّب اور فردوسی کی شیعیّت کو ظاہر کیا ہے۔ یہ غلط ہے سلطان متعصّب نہ تھے، ان کے دربار میں غضائری شیعہ شاعر موجود تھا جس کو سلطان نے مالامال کر دیا، البیرونی شیعہ فاضل سلطان کا مصاحب خاص اور بقول ان روایات نقل کے حسن میمندی خارجی تھا۔ ہندوں کو سلطان نے بڑے بڑے عہدے دئے، مالک بخشی کی۔

حیات فردوسی میں ہے کہ حسن میمندی کی تحریک سے فردوسی کے عقاید کے متعلق اعتراضات کئے جانے لگے، بادشاہ نے کہا مجکو اس کے مذہب سے غرض نہیں۔

سر جارج ہملٹن نے لکھا ہے کہ محمود دربار میں علما اور فاضل شعرا کے لئے منکسر المزاج، شریف الطبیعت اور قدر دان تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ لایق شخصوں کا ہر حالت میں ناز بردار تھا وہ مذہب کی طرف سے نہایت سخت تھا لیکن اس کی یہ سخت مزاجی محض ہم پلّہ حکمرانوں کے مقابل میں ہوتی تھی نہ کہ اپنے ملازموں کے لئے وہ اپنے لاثانی فضلا کا کشادہ دلی سے دوست تھا اور اُسے ان کے مذہب سے کوئی تعرض نہ تھا۔ محمود کے یہاں بہت سے نصرانی بھی اعلیٰ اعلیٰ درجوں پر ممتاز تھے۔ ایسے شخص کو کوئی اہل عقل متعصب نہیں کہہ سکتا۔

اس روایت میں اسپہبد شہریار والی طبرستان کے پاس فردوسی کا

کا جانا اور شہریار کا یہ مقولہ (محمود خداوند من است) یہ سراسر غلط ہے، سلطان کے عہد میں طبرستان میں شہریار حکمران تھا قابوس بن وشمگیر تھا اور سلطان کا کچھ اثر طبرستان میں نہ تھا پروفیسر محمود خان صاحب شیرانی نے اپنے مضمون مندرجہ رسالہ اردو اورنگ آباد جون ۲۵ء میں طویل بحث اور تاریخی حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ شہریار ۳۵۵ھ میں فوت ہو چکا تھا گویا محمود کی تخت نشینی سے ۲۹ سال قبل، اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ طبرستان کا والی شہریار اور محمود کا ماتحت تھا تو کیا کوئی صاحب عقل تسلیم کر سکتا ہے کہ محمود کا ماتحت محمود کے اشتہاری کو ٹھیرائے اور انعام دے اور کیا کوئی جرأت کر سکتا ہے کہ وہ حاکم سے منحرف ہو کر اسکے محکوم کے پاس جائے اور اس پر طرہ یہ کہ محمود کی ہجو کہکر اس کو سنائی، فردوسی ایسا نادان نہ تھا جو ایسی حماقت کرتا اور اگر کرتا تو کوئی اہل عقل تجویز نہیں کر سکتا کہ زندہ واپس آجاتا وہ لوگ جو اس پر یقین کرتے ہیں ویسرائے کی ہجو لکھکر کسی ہندوستانی والی ملک یا کسی کلکٹر یا گورنر کو سنا کر تجربہ کریں۔

اس روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ فردوسی بھاگ کر ۶ مہینے بعد طوس پہنچا یہ بھی غلط ہے جب فردوسی بھاگا اور سلطان کو اسکی خبر ہوئی اور سلطان کے سپاہی اسکی تلاش میں گئے تو کیا اتنے بڑے واقعہ سے گورنر طوس بیخبر رہا ہوگا اگر یہ واقعہ صحیح ہوتا تو فردوسی طوس نہ جاتا اور اگر جاتا تو پابجولان غزنین آتا۔

اس روایت میں ہے کہ شہریار نے فردوسی سے کہا کہ تو محب اہل بیت ہے اسلئے تیرا دنیا کا کام نہیں نکلا جس کسی کو اہل بیت سے محبت ہوتی ہے اس کا دنیا کا کوئی کام نہیں نکلتا یہ بھی غلط ہے، بہت سے شیعہ صاحب تخت و تاج ہوئے اور اسی زمانے میں دیلمیوں کا خاندان برسر حکومت تھا۔ ایسی لغویات کوئی نہیں کہہ سکتا

اس روایت میں ہے کہ ہجو کے سو شعر تھے جن کا مبیّضہ شہریار نے اور مسوّدہ فردوسی نے تلف کیا پھر یہ چھ کیونکر بچے اور اگر یہ صحیح ہے تو یہ تمّ کل جو دو سو سے زائد ہیں یہ کہاں سے آئے، ایک نقطہ کے جعلی ثابت ہونے پر تمام دستاویز مسترد کر دی جاتی ہے یہاں دو سو میں (۱۹۴) جعلی ہیں پھر بھی لائق اعتماد نہیں۔

یہ چھ شعر جو ہجو کے نقل کئے گئے ہیں یہ کسی طرح فردوسی کے نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ نہایت سست اشعار ہیں اور ان میں ایسی غلطیاں ہیں جنکو معمولی شاعر بھی نہیں کر سکتا۔ ان کا بیان ہجو کے دوسرے شعروں کے ساتھ علیحدہ ہوگا۔

یہ ایک نہایت افسوسناک امر ہے کہ تذکرہ نویسوں نے آنکھیں بند کر کے ان اشعار کو فردوسی کیطرف منسوب کر دیا اور غور و خوض سے کام نہیں لیا۔ قدیم تذکرہ نویسوں اور مورخوں کو تو معذور رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ قدیم زمانے میں پریس و مطابع نہ تھے قلمی تحریر کا رواج تھا۔ نہیں کہا جا سکتا کہ انہیں مصنف نے لکھے ہیں یا بعد کو کسی جعلساز نے اضافہ کیا۔ گمان غالب یہی ہے کہ بعد کو کسی نے ایسے بیانات بڑھائے ہیں کیونکہ متقدمین ماہر علوم و فنون تھے وہ ایسے لغو اور بے سر و پا قصہ اور ایسی بحر نظم کو محمود جیسے سخن و قدر دان اور فردوسی خدائے سخن کی طرف منسوب نہیں کر سکتے تھے

زیادہ افسوس اس پر ہے کہ زمانہ حال کے بعض مصنفین نے باوجودیکہ تمام سامان تصحیح و تحقیق و تدقیق میسر ہیں، تحقیق کی تکلیف گوارہ نکر کے صرف

تقلید میں یا فردوسی کے نام سے مرعوب ہو کر نقل کر دیا۔ طبیعت کو تحقیق کیطرف مائل نہیں کیا۔ اگر توجہ کرتے تو ان پر ضرور حقیقت منکشف ہو جاتی۔

مولوی وجاہت حسین صاحب عندلیب شادانی بی اے، منشی فاضل جنہوں نے نصاب ایم۔اے اور جماعت منشی فاضل کے لئے چہار مقالہ تالیف کیا ہے اس مہمل ہجو کے متعلق لکھتے ہیں۔

(یہ ایک نہایت عجیب و غریب ادّعا ہے (یعنی صاحب چہار مقالہ کا یہ لکھنا کہ ہجو کے صرف چھ شعر باقی رہ گئے) کیونکہ اسے صحیح تسلیم کرنے کی صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ ان چھ شعروں کے علاوہ ہجو کے باقی مشہور و معروف اشعار جو آج بھی شاہنامہ کے شروع میں موجود ہیں وہ فردوسی کے نہیں لیکن اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ اشعار زیر بحث کا فردوسی کی تصنیف سے ہونا تواتر سے ثابت ہے۔ اس کے علاوہ ان اشعار کا طرز و اسلوب بالکل وہی ہے جو فردوسی کے باقی کلام کا انداز ہے وہی متانت الفاظ وہی زور، وہی پختگی وہی روانی وہی استحکامِ معانی غرض جس پہلو سے دیکھئے وہ فردوسی ہی کا کلام ہونے کے سزاوار ہیں۔ چہار مقالہ مطبوعہ ۱۹۳۱ء ص ۵)

یہ تو ہجو کے بیان سے معلوم ہو گا کہ یہ اشعار ہجو کے فردوسی کے ہیں یا نہیں مگر جناب عندلیب کا یہ تحریر فرمانا کہ صرف چھ اشعار کے متعلق عجیب ادعا ہے بہت ہی عجیب ہے۔ جناب آپ کو یہ واقعہ کس کے ذریعہ سے پہونچا، اصل راوی اوّل راوی اس کا کون ہے وہی ہے جو چھ اشعار

بتا رہا ہے، باقی سب اس کے بعد ہیں اور بعد والوں نے جو کچھ اس سے زیادہ لکھا ہے اس کی کوئی سند نہیں بیان کی لہذا ان کا بیان تو اس قابل نہیں کہ اس پر توجہ کیجائے، اگر کچھ توجہ کے قابل ہے تو چہار مقالہ ہی کا بیان ہے۔ اور اگر یہ ہجو فردوسی کی تسلیم کیجائے تو بیان اور سند کے اعتبار پر چہار مقالہ کے سوا اور اشعار تسلیم نہیں کئے جا سکتے، کیونکہ ان کو زمانہ بعید کے بعد لکھنے والوں نے بلا سند لکھا ہے۔

دوسری عجیب بات یہ ہے کہ جناب فرماتے ہیں کہ ہجو کے اشعار تواتر سے ثابت ہیں۔ جناب کیا تواتر کی تعریف یہ ہے کہ ڈیڑھ سو برس تک تو اس چیز کا نام ونشان نہ ہو اور ڈیڑھ سو برس کے بعد وہ چھ کی تعداد سے شروع پھر جس قدر زمانہ گذرتا جائے وہ بڑھتی جائے یہاں تک کہ دو سو کی تعداد سے گذر جائے اور ہر بیان کرنے والا اس کو کمی بیشی کے ساتھ بیان کرے۔ ایک کا بیان دوسرے کے مطابق نہ ہو، واہ۔ سمجھے بھی تو کیا سمجھے۔ جانا بھی تو کیا جانا۔

اس روایت کا دوسرا حصہ جسکو عروضی نے امیر معزی سے سنا بیان کیا ہے، سراسر پر از اغلاط ہے۔ عروضی کہتا ہے کہ میں نے خود ۵۱۰ھ میں فردوسی کے مزار کی زیارت کی لیکن اس سے وہاں کسی نے کچھ نہیں کہا۔ یہ عام قاعدہ ہے کہ صاحب قبر کے متعلق اس کے مقام، دفن، اور وطن میں روایات وحکایات مشہور ہوتی ہیں اور زائرین کو سنائی جاتی ہیں لیکن عروضی سے وہاں کوئی ایک لفظ بیان نہیں کرتا۔ بیان کرتا ہے تو

نیشاپور میں ۵۴۲ھ میں امیر معزی یہ امر خلاف عقل و قیاس ہے۔ امیر معزی نے یہ واقعہ کہ خواجہ بزرگ نے شعر پڑھا اور محمود نے دریافت کیا کس کا شعر ہے اس سال کا بیان کیا ہے جس سال فردوسی کا انتقال ہوا یعنی ۴۱۱ھ کا اور سلطان کی ہندوستان سے واپسی کا بیان کیا، لیکن اس سن میں سلطان کا کوئی حملہ ہندوستان پر نہیں ہوا۔ لہذا یہ واقعہ سراسر غلط ہے اور خواجہ بزرگ کے متعلق لکھا جا چکا ہے اس لئے غلط در غلط ہے، امیر معزی نے بیان کیا کہ خواجہ نے یہ شعر پڑھا ؎

اگر جز بکام من آید جواب　　　من و گرز و میدان و افراسیاب

اور کہا یہ شعر فردوسی کا ہے لیکن فردوسی کا شعر اس طرح نہیں وہ ان دو طریقوں سے مشہور ہے ؎

چو فردا بر آید بلند آفتاب　　　من و گرز و میدان و افراسیاب

یا

بجویم برین کینہ آرام و خواب　　　من و گرز و میدان و افراسیاب

چہار مقالہ نے جس طرح اس شعر کو لکھا ہے اس میں لفظ جواب ہے جو عربی ہے فردوسی نے عربی الفاظ استعمال نہیں کئے (اس کی بحث آگے آئے گی) اس لئے اس طرح فردوسی کا شعر نہیں پھر خواجہ کیوں کر کہہ سکتا تھا اور اگر کہتا تو محمود فوراً کہتا کہ یہ شعر صنعت لزوم سے جس میں شاہنامہ ہے باہر ہے اس لئے یہ واقعہ بھی غلط ہے۔

ایک روایت یہ ہے کہ سلطان محمود نے فردوسی کو پہلی بار انعام

دیا تھا چونکہ یہ بہت بڑا انعام ہے اس لئے اس کی ایسی شہرت ہوئی کہ انعام کے لئے پیل محمود شعرا میں اصطلاح قرار پا گئی۔ امیر معزی اس اصطلاح اور اس کی ایجاد سے خوب واقف تھا کیونکہ اس نے خود اس اصطلاح کا استعمال کیا ہے اس کا شعر ہے ؎

زبہر نام اگر شاہ ولی محمود بہ پیلوار بشاعر ہمی شبانی داد

جب امیر معزی اس واقعہ سے واقف تھا اور اس اصطلاح کو جانتا تھا تو کیوں غلط بیانی کرتا (اس اصطلاح کا ذکر انعام کی بحث میں ہوگا) اسی طرح عروضی بھی ماہر فن اور استاد تھا وہ بھی اس اصطلاح سے بیخبر نہ تھا وہ بھی غلط بیانی نہ کرتا اور اگر اس واقعہ کو یہ دونوں اس طرح بیان کرتے تو اس کے ساتھ یہ بھی ضرور کہتے کہ یوں بھی مشہور ہے لہذا یہ بیان نہ امیر معزی کا ہے یہ روایت عروضی نے لکھی یہ کسی جعلساز کی کارروائی ہے۔ عروضی تو یہ واقعہ ہندوستان سے واپسی کا بیان کرتا ہے۔

دولت شاہ غزنین کا بیان کرتا ہے کہ خواجہ نے یہ شعر پڑھا

صاحب حیات فردوسی کا بیان ہے کہ سلطان نے ایک باغی پر حملہ کرنا چاہا سوچا کہ خط میں کیا لکھنا چاہیئے تو درباریوں نے کہا کہ فردوسی کا یہ شعر کافی ہے۔

اس روایت میں ہے کہ فردوسی کی لڑکی کو انعام دینا چاہا اس نے انکار کر دیا تو وہ روپیہ خواجہ اسحاق کے سپرد کیا گیا۔ کہ طوس کے قریب نیشاپور اور مرو کے راستہ پر سرائے اور کنویں تعمیر کرا دیں انہوں نے تعمیر کرا دیا،

اور دولت شاہ سمرقندی لکھتا ہے کہ انعام فردوسی کی بہن کو دینا چاہا اس نے انکار کردیا اور کہا (مرا بمال سلاطین احتیاجے نیست)

صاحب حیات فردوسی نے لکھا ہے کہ فردوسی کی بہن نے انعام لے لیا اور اس روپیہ سے سرائے تعمیر کرا دی۔

صاحب تاریخ اسلام نے لکھا ہے کہ فردوسی کی بہن نے انعام لے لیا اور اس روپیہ سے فردوسی کا مقبرہ بنوا دیا۔

اس کل روایت پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہنامہ سلطان کی فرمایش سے نہیں لکھا گیا۔ اگر سلطان کی فرمایش ہوتی تو اس کے پیش کرنے کیلئے ذرایع کی تلاش کی ضرورت نہ ہوتی اگر سلطان نے فی شعر ایک اشرفی انعام پہلے ہی سے مقرر کیا ہوتا تو مصاحبوں سے مشورہ نکیا جاتا کہ فردوسی کو کیا انعام دیا جائے اگر ایسا ہوتا تو جس طرح مصاحبوں نے پچاس ہزار درہم کہے تھے حسن میمندی جو پیش کرنے والا تھا کہتا کہ بادشاہ نے فی شعر ایک اشرفی کا وعدہ فرما دیا ہے جب فرمایش بھی نہ تھی، انعام کا تعین و وعدہ بھی نہ ہوا تھا تو اس صورت میں دینے والے نے جو کچھ دیدیا اس کا احسان تھا ایسی صورت میں ناراض ہونا ہجو لکھنا، دینے والے کی دنائت نہیں بلکہ شاعر کی رذالت کو ثابت کرتا ہے اور جب انعام لیلیا تو اس کو جسطرح چاہا خرچ کردیا، سلطان کو اس سے کیا سروکار اس پر خائف ہونے اور بھاگنے کی کیا ضرورت تھی۔ غرض اس روایت پر جس پہلو سے نظر کیجائے موضوع ثابت ہوتی ہے اور اس واقعہ کے متعلق کوئی ایک متفقہ بیان نہیں

اس کے ہر ہر جزو میں اختلاف ہے اور یہ ہر پہلو سے مخدوش ہے۔

شاہنامے

فردوسی کے شاہنامہ سے پہلے کئی شاہنامے نظم ونثر تصنیف ہو چکے تھے، فردوسی کا شاہنامہ لکھنا کوئی ایسا عجیب و غریب کام نہ تھا جس پر سلطان خواہ مخواہ گرویدہ ہو کر ایک رقم خطیر معین کر دیتا۔ سلطان ایک مذہبی آدمی تھا اتنی بڑی رقم ایسے کام پر کبھی خرچ نہ کر سکتا تھا اور اس کو ایسی کثیر رقم خرچ کرنی ہوتی تو اس کے لئے تاریخ اسلام کا میدان موجود تھا جس پر وہ ثواب عقبیٰ کی بھی امید کر سکتا تھا۔ اور سلطان کا کیا ذکر چہار مقالہ کی حکایت میں موجود ہے کہ شہریار والی طبرستان سے فردوسی نے کہا کہ یہ تیرے آباؤ اجداد کی تاریخ ہے تو اس نے بھی کچھ التفات نہ کیا اور یہی کہا کہ (اندک چیزے ترا دہم) کچھ تھوڑا سا تجھے دیدوں گا۔

شاہنامہ ابو منصور طوسی سنہ ۳۰۶ھ میں نثر میں تصنیف ہوا، کتاب آثار الباقیہ فی قرون الخالیہ میں جو سنہ ۳۹۱ھ کی تصنیف ہے اس کا حوالہ ہے، دقیقی شاعر (المتوفی سنہ ۳۴۱ھ) نے بفرمائش وزیر ابو الفضل بلعمی (المتوفی سنہ ۳۲۹ھ) اس کو نظم کرنا شروع کیا۔

شاہنامہ ابو المؤید البلخی نثر میں تصنیف ہوا، ابو علی بلعمی نے اپنے ترجمہ تاریخ طبری میں اس کو شاہنامہ بزرگ کے نام سے ذکر کیا ہے یہ ترجمہ سنہ ۳۵۲ھ میں ہوا، اس لئے یہ شاہنامہ سنہ ۳۵۲ھ سے پہلے کی تصنیف ہے۔

شاہنامہ مسعودی مروزی یہ نظم تھا۔ کتاب الغرر فی اخبار الملوک میں جو سبکتگین کے عہد کی تصنیف ہے اس کا حوالہ ہے۔

شاہنامہ ابوعلی بلخی یہ شاہنامہ مسعودی کے بعد تصنیف ہوا، کتاب آثار الباقیہ فی قرون الخالیہ میں اس کا حوالہ ہے۔

موجودہ شاہنامہ فردوسی کی تدوین و تاریخ

زمانہ قدیم میں پریس و مطابع نہ تھے قلمی تحریر کا رواج تھا اس لئے کتابیں ہر ایک گھر میں نہ ہوتی تھیں۔ خاص خاص اہل علم یا اہل دول کتابیں رکھتے تھے سلطان محمود کے بعد غزنین اور طوس میں ایسے شدید ہنگامے ہوئے جو اپنی آپ ہی نظیر تھے۔ شہر لوٹے گئے، جلائے گئے، شاہنامہ ایسا کون سا دین و ایمان تھا جس کو لوگ چھاتی سے لگائے پھرے ہوں یا نوک زبان رکھا ہو اس لئے یہ خیال کرنا کہ شاہنامہ فردوسی محفوظ و مامون رہا صحیح نہیں، کسی مورخ اور تذکرہ نویس نے نہیں لکھا کہ تصنیف کے بعد شاہنامہ پر کیا گذری۔ بعض بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہنامہ فردوسی کی زندگی میں مکمل ہی نہیں ہوا۔ غرض کہ مدتوں کے بعد اسپین میں اسد خان اشوکی نے شاہنامہ مرتب کیا، اس میں محمود کی ہجو اور رستم و سہراب کی داستان نہ تھی پھر ایک نسخہ خلیفہ بغداد کے حکم سے صمد بغدادی اور آغا حسن اصفہانی نے مرتب کیا اس میں رستم و افراسیاب اور سکندر کی مکمل داستان نہ تھی، بغداد کی تعریف میں دو ہزار اشعار تھے، اس کے بعد پتہ نہیں چلتا کہ یہ کتاب

کس حالت میں رہی۔ صدیوں کے بعد مغل بادشاہ شاہ عالم ثانی نے اسکو مرتب کرانا چاہا لیکن ملکی شورش نے اس کو اتنا موقع نہ دیا۔

نصیر الدین حیدر شاہ اودھ نے بہت سے نسخوں سے ایک نسخہ مرتب کرایا اس نسخہ کو منشی نول کشور نے چھاپا اسی کی نقل بمع شیرازی ایران لیگیا یہ نسخہ تئیس نسخوں سے مرتب کیا گیا تھا جن کی کیفیت حسب ذیل ہے

(۱) ایک نسخہ مولانا عبد الرحیم بن مولانا عبد اللہ القریشی کا ایرانی خط میں سنہ ۱۰۲۱ھ کا لکھا ہوا تھا۔ اس میں (۵۱۲۴۳) اشعار تھے۔

(۲) ایک نسخہ محمد حافظ رہتکی کا سنہ ۱۰۰۸ھ کا ایرانی خط میں لکھا ہوا تھا اس میں (۴۷۵۲۰) اشعار تھے۔

(۳) ایک نسخہ خط نسخ میں لکھا ہوا تھا سنہ ۸۸۰ھ کا اس میں (۵۰۵۰۰) اشعار تھے۔

(۴) ایک نسخہ خط نستعلیق نسخ نما میں سنہ ۸۸۰ھ کا ایران کا لکھا ہوا تھا اس میں (۵۶۶۸۵) اشعار تھے۔ یہ نسخہ بہت غلط تھا۔ بعض جگہ مصرعے بدلے ہوئے تھے۔ یہ چاروں نسخے ایسٹ انڈیا کمپنی نے بھیجے

(۵) سید التفات حسین خان کا جمع کیا ہوا۔ حاجی علی شیرازی المشہور بکاتب مستجل کا سنہ ۸۹۹ھ کا لکھا ہوا تھا اس میں (۵۲۱۳۳) اشعار تھے۔ اس پر شہنشاہ اورنگ زیب کی مہر بھی تھی۔

(۶) حاجی محمد قاسم اصفہانی کا جمع کیا ہوا تھا اور سعید کاتب کا سنہ ۸۹۱ھ کا لکھا ہوا تھا اس میں (۴۹۷۸۲) اشعار تھے۔

(۷) روضۃ الکبریٰ کا ۷۴۱ھ کا لکھا ہوا اس میں (۴۲۷۹۵) اشعار تھے اس پر شاہ ایجی ٹرنگ فلنگ کی مہر لگی ہوئی تھی اس میں یہ اہتمام تھا کہ حاشیہ میں لکھا ہوا تھا کہ فردوسی نے فلاں فلاں سن میں اسقدر اشعار کہے۔

(۸) ایرانی خط میں عبدالصمد بن علی محمد الحسینی ایرانی کا ۱۰۲۰ھ کا لکھا ہوا تھا اس میں (۴۶۹۸۲) اشعار تھے یہ نسخہ مسٹر اکنس نے بھیجا تھا

(۹) منتظم الدولہ نے بھیجا تھا ۸۹۱ھ کا لکھا ہوا اسمیں (۵۵۱۹۲) اشعار تھے۔

(۱۰) یہ بھی منتظم الدولہ نے بھیجا تھا اس میں (۵۰۵۰۰) اشعار تھے۔

(۱۱) یہ نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کا تھا۔ نظام بن محمد شیرازی کا لکھا ہوا۔ ۸۹۹ھ کا اس میں (۵۱۱۳۲) اشعار تھے۔

(۱۲) مڈلٹن صاحب نے بھیجا تھا، ابن حسن نورالدین اصفہانی نے شیراز میں ۱۰۴۸ھ میں لکھا تھا۔ اس میں (۵۲۹۱۱) اشعار تھے

(۱۳) ۱۰۳۴ھ کا لکھا ہوا تھا اس میں (۵۰۸۲۴) اشعار تھے۔

(۱۴) راہبس صاحب نے بھیجا تھا عبدالکریم بن عبدالنبی جونپوری کا ۱۰۲۰ھ کا لکھا ہوا۔ اس میں (۴۸۷۱۴) اشعار تھے۔

(۱۵) ملسٹر صاحب نے بھیجا تھا۔ اس میں ایک لاکھ اشعار تھے ۹۹۹ھ کا لکھا ہوا۔ اس کی ابتدا گرشاسب نامہ اسدی سے ہوئی تھی۔

(۱۶) ببر جنگ کا جمع کردہ تھا ۸۸۱ھ کا لکھا ہوا۔ اس میں (۵۶۵۸۸) اشعار تھے۔

(۱۷) محمد خان قزوینی کا ۹۱۰ھ کا لکھا ہوا تھا۔ اسمیں (۵۴۰۲۰) اشعار تھے۔

(۱۸) ۹۱۰ھ کا لکھا ہوا اسمیں (۸۷۹۱۱) اشعار تھے اُنمیں سات ہزار اشعار بغداد کی تعریف میں تھے اور کچھ حصّہ یوسف زلیخا فردوسی کا بھی شامل تھا

(۱۹) ۱۰۱۱ھ کا لکھا ہوا، اس میں کیکاؤس سے لہراسپ تک اشعار تھے

(۲۰) مرزا علی اصفہانی نے بھیجا تھا۔ ۹۱۰ھ کا لکھا ہوا۔ اس میں ابتدا سے ہیجر کا گودرز کے پاس کیخسرو کا خط لیکر جانے تک کے اشعار تھے۔

(۲۱) اس میں شروع سے کیخسرو کے غایب ہونے تک کے اشعار تھے

(۲۲) مسٹر ملول نے بھیجا تھا اس میں سوسن رامشگر کے قصّہ سے لیکر آخر تک کے واقعات تھے۔

(۲۳) ایرانی خط میں ۹۴۹ھ کا لکھا ہوا تھا اس میں (۵۳۰۰۰) اشعار تھے۔

مجمل کیفیت ان نسخوں کی یہ ہے۔ ان میں سے کسی ایک نسخہ کی تعداد اشعار وہ نہیں جو روایات میں بیان کی گئی ہے یعنی ساٹھ ہزار اور اسّی ہزار کسی نسخہ میں کم، کسی میں زیادہ اور دو نسخوں کی تعداد اشعار برابر نہیں۔

سب سے قدیم نسخہ نمبر ۲ ہے جو ۶۲۷ھ کا لکھا ہوا ہے یعنی تصنیف سے (۲۲۷) سال بعد کا اس میں (۴۲۷۹۵) اشعار تھے۔

نمبر ۳ و ۴ ایک ہی سال کے لکھے ہوئے ہیں انمیں (۶۱۸۵) اشعار کا فرق ہے۔

نمبر ۱۱ و ۱۵، ایک ہی سال کے لکھے ہوئے ہیں ان میں (۱۰۰۱) اشعار کا فرق ہے۔

نمبر ۹ و ۱۰ ایک ہی شخص کے مملوکہ ہیں، انہیں (۴۶۹۲) اشعار کا فرق ہے۔

قصہ جمشید گورنک شاہ کی بیٹی کے ساتھ صرف دو نسخوں میں تھا اس قصہ کے اشعار فردوسی کے کلام سے نہیں ملتے۔ علی قلی خان اور صاحب آتشکدہ آذر نے اس کو اسدی کا کلام قرار دیا ہے۔ جنگ رستم و لک صرف ایک نسخہ میں تھی۔ اس کے اشعار اس قدر سست ہیں کہ فردوسی کے کلام سے نسبت نہیں رکھتے۔ نمونہ ؎

چو بشنید میلاد و افگند سر ۔۔۔ بہ پیش و نمی کرد بر وے نظر

نہ مردیست این دزدی و رہزنی ۔۔۔ بدمن کار و واپس ہر رہزنی

چو زان قلعہ و دژ اثر وا نماند ۔۔۔ بہ انگشت زالی و ازانجا نماند

غرض ۲۳ نسخوں سے ایک نسخہ مرتب کر کے رائج کر دیا گیا۔ لیکن اب جو نسخے ہیں۔ ان میں بھی اختلاف ہے۔

اس تمام تحقیقات سے واضح ہوتا ہے کہ یہ کتاب محفوظ نہیں رہی اور اس میں بہت کچھ تحریف ہوئی ہے۔

موجودہ شاہنامہ وہ شاہنامہ نہیں جو فردوسی نے تصنیف کیا تھا

ایسے قوی دلائل موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ شاہنامہ وہ نہیں جو

فردوسی نے لکھا تھا ملکہ اس میں قلیل جزو فردوسی کا ہے باقی سب موضوع و جعلی

(۱) فردوسی تاریخ ایران کا ماہر تھا لیکن موجودہ شاہنامہ میں ایسی تاریخی غلطیاں ہیں جو ایک معمولی مورخ بھی نہیں کر سکتا۔ مثلاً ؎

چو پرویز و ہرمز چو پورش قباد	چو خسرو کہ پرویز نامش نہاد

اس شعر سے پرویز کا بیٹا ہرمز ثابت ہوتا ہے حالانکہ ہرمز کا بیٹا پرویز تھا

شاہنامہ میں پریچہرہ کو ایرج کی نواسی بنایا ہے حالانکہ وہ ایرج کی بیٹی تھی

شاہنامہ میں دارا کے قاتل ناسار و جالو سار نامی دو وزیر بیان کئے ہیں حالانکہ دارا کے قاتل دو ہمدانی سپاہی تھے (زینت التواریخ و تاریخ ایران سرجان مالکم)

(۲) شعرائے ایران میں فردوسی کا مرتبہ سب سے بلند ہے۔ استاد عزیزی نے کہا ہے ؎

در شعر سہ کس پیمبر انند	ہر چند کہ لا نبی بعدی
ابیات و قصیدہ و غزل را	فردوسی و انوری و سعدی

ایک استاد کا قول مشہور ہے کہ فردوسی در سخن خدا بود۔

استاد انوری نے لکھا ہے ؎

آفرین بر روان فردوسی	آن ہمایوں نہاد فرخندہ
او کہ استاد بود ما شاگرد	او خداوند بود ما بندہ

مولانا نظامی گنجوی فرماتے ہیں ؎

سخن گوئے پیشینہ دانائے طوس	کہ آراست روئے سخن چون عروس

خواجہ سعدی شیرازی فرماتے ہیں ۔

چہ خوش گفت فردوسی پاک زاد ۔۔۔ کہ رحمت بران تربت پاک باد

ایک اُستاد نے لکھا ہے ۔

اے تازہ و محکم ز تو بنیاد سخن ۔۔۔ ہرگز نکند چوں توکسے یاد سخن

فردوس مقام بادت اے فردوسی ۔۔۔ انصاف کہ نیک دادئی داد سخن

غرض تمام اساتذہ فردوسی کے مداح ہیں۔ اس کے کلام کی روانی و پختگی چستی و برجستگی ثابت کرتی ہے کہ خدائے سخن کا خطاب اس کو زیبا تھا۔ ملاحظہ ہو۔

کلام فردوسی

پاسخ فریدون سلم و تور را

چو بشنید شاہ جہاں کدخدائے ۔۔۔ پیام دو فرزند ناپاک رائے

بیکایک بمرد گرامنایہ گفت ۔۔۔ کہ خورشید را چوں توانی نہفت

نہاں دل آن دو مرد پلید ۔۔۔ ز خورشید روشن تر آمد پدید

شنیدم ہمہ ہرچہ گفتی سخن ۔۔۔ نگہ کن کہ پاسخ چہ یابی زمن

ان اشعار سے ان اشعار کو ملایا جائے جو چہار مقالہ سے ابتدا میں نقل کئے جا چکے ہیں تو معلوم ہو گا کہ وہ سست اشعار کسی نومشق شاعر کے ہیں۔ و ہو ہذا۔

رزین نامہ از نامداران شہر ۔۔۔ علی دیلم و بودلف راست بہر

نیاید جز احسنتشان بہرہ ام ۔۔۔ بگفت اندر احسنتشان زہرہ ام

کہ حی قتیبہ است از آزادگان ۔۔۔ کہ از من نخواہد سخن رائیگان

امیر کی تعریف میں آزادگان یہ لفظ کس قدر ناموزوں ہے اور تینوں شعر تکبندی ہیں۔

اور

ہمہ اہل بیت نبی و وصی	پیمبر بدو اندروں با علی
بنزد نبی و وصی گیر جائے	اگر خلد خواہی بدیگر سرائے

"گیر جائے" سکونت کرنے یا دفن ہونے کے معنی میں آتا ہے۔ یہاں شاعر ایمان لانا کہنا چاہتا ہے مگر مضمون ادا نہیں کر سکا۔ یہ کسی قادر الکلام کا شعر نہیں۔ بعض نسخوں میں پہلا مصرعہ یوں ہے "ترا ہست اگر عقل و تدبیر و رائے" ہجو کے اشعار کے متعلق علیحدہ مضمون ہوگا۔

ایسے ہی اور بہت سے اشعار پُر از اغلاط شاہنامہ میں ہیں۔

ہمہ شعر زیر اندر آمد فلک	چو سال اندر آمد بہفتاد و یک

یہ مہمل ہے دوسرے مصرعہ کا مطلب نہیں کھلتا۔

ہر آنچہ آورم نظم از بیش و کم	کہ بخشد ز ہر بیت زر یکدرم

"ز ہر" سے مطالب خبط ہوتا ہے صاف نہیں کھلتا۔ شاعر کہنا چاہتا ہے کہ ہر شعر پر ایک اشرفی دینے کا وعدہ تھا، مگر یہ مطلب ادا نہیں کر سکا، زر یکدرم ایک درم سونا اور شاعر کا مطلب اشرفی ہے اس لئے درم زر ہونا چاہیئے تھا۔

کہ گفتم من نامہ شہریار	ز ہجرت شدہ پنج ہشتاد بار

شاہنامہ میں ایک بادشاہ کا ذکر نہیں۔ ایران کے تمام بادشاہوں کا ذکر ہے

اس لئے شہریاراں جمع ہونا چاہیئے تھا۔ اور یہ شعر دقیقی کے اس شعر کا سرقہ ہے ؎

نوشتم من این نامہ شاہوار　　چنان چون بود در خور شہریار

یہ سرقہ فردوسی کا کام نہیں۔

نباشد جز از بے پدر دشمنش　　کہ یزداں بہ آتش بسوزد تنش

شاعر کہنا چاہتا ہے کہ ولد الزنا کے سوا کوئی اس کا دشمن نہیں ہو سکتا مگر مطلب ادا نہیں کر سکا، بے پدر کہا، بے پدر یتیم کو کہتے ہیں

(۳) فردوسی ایک گاؤں کا باشندہ تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ دیگر ممالک کی زبانوں کا اثر دیہات کی زبان پر بہت کم ہوتا ہے۔ فردوسی کی زبان خالص فارسی زبان تھی اس نے شاہنامہ اسی زبان میں لکھا تھا۔ اور یہی شاہنامہ کی خصوصیت تھی اس نے عربی الفاظ کا استعمال نہیں کیا۔ آشوب تورانی نے اسی وجہ لکھا ہے ؎

دلش گبر و جان گبر و گبری زبان　　ز گبران بگبری زبان قصہ خوان

(صولت فاروقی)

شاہنامہ تصنیف فردوسی بصنعت لزوم زبان فارسی (خیابان)

جہاں تک فردوسی کی شان کا کلام شاہنامہ میں ہے وہ خالص ہی فارسی میں ہے چند اشعار تو پہلے لکھے جا چکے ہیں۔ اب اس موقع پر دیکھئے کہ اہم مضامین کو کس خوبی سے ادا کرتا ہے اور کوئی لفظ عربی نہیں لاتا۔ آفرینش عالم کے متعلق لکھتا ہے مگر مادہ وجود عنصر وغیرہ الفاظ نہیں لاتا۔

ازآغاز باید کہ دانی درست　　سرمایہ گوہران از نخست

کہ یزدان زنا چیز چیز آفرید   بدان تا توانائی آمد پدید
وزو مایہ گوہر آمد چہار   برآورد بے رنج و بے روزگار

(سرمایہ بمعنی مادّہ ۔ توانائی بمعنے وجود۔ گوہر بمعنے عنصر)

لیکن موجودہ شاہنامہ صنعت لزوم کی قید سے آزاد ہے۔ اس میں خاصی تعداد عربی الفاظ کی ہے ۔ نمونہ

زگیتی پرستندۂ فر قیصر   زید شاد در سایہ شاہ قیصر
اگر مہر شان من حکایت کنم   چو محمود را صد حمایت کنم
بنام نبی و علی گفتہ ام   گوہرہائے معنی بسے سفتہ ام
چہ گفت آن خداوند تنزیل وحی   خداوند امر و خداوند نہی
نیم آگہ از اصل و فرع خراج   ہمی غلطم اندر میان دواج
میانہ یکے خوب کشتی عروس   برآراستہ ہمچو چشم خروس
اگر خلد خواہی بدیگر سرائے   بنزد نبی و وصی گیر جائے

یہ سات شعر ہیں ان میں پندرہ عربی الفاظ ہیں، نبی علی وغیرہ کو ہم نے چھوڑ دیا ہے کیونکہ اسمار و اعداد اکثر صنایع میں مستثنیٰ کئے جاتے ہیں اور ان کا بدستور رکھنا مناسب ہوتا ہے۔

غرض ایسے ہی وجوہ اور دیگر قرائن قویّہ پر نظر کر کے صاحب آتشکدۂ آذر نے لکھا ہے اور صحیح لکھا ہے

"امروز شاہنامہ کہ صحت داشتہ باشد وجود ندارد و بعلت عدم ربط کتاب و نساخ چندان تغیر یافتہ کہ نمی توان گفت کہ درین

کتاب شعرے از فردوسی باقی ماندہ یا زانچہ ماندہ بمقابل اشعار فصیح بلغا وافکار بلیغ فصحا در ہر باب شعر خوب وسخن مرغوب دارد"

پروفیسر نولڈکی لکھتے ہیں۔ شاہنامہ کے وہ منفرد اشعار جنیں مذہبی عقیدہ کا اظہار پایا جاتا ہے بعد والوں کے اضافہ کئے ہوئے معلوم ہوتے ہیں یا بعض اشعار ایسے ہیں کہ وہ ہیں تو فردوسی کے لکھے ہوئے لیکن ان میں خفیف سا تغیر کر کے مطلب کو کہیں سے کہیں پہونچا دیا ہے (حیات فردوسی)

اس کے تحریف وتغیر نے اس کو اس پایہ سے گرادیا جس مرتبہ کی یہ کتاب تھی۔ اسی وجہ سے پروفیسر براؤن نے تاریخ ادبیات عجم میں لکھا ہے۔ کہ کسی حیثیت سے یہ کتاب شعرائے فارس کے کلام کی برابر نہیں۔

شاہنامۂ فردوسی کے دیباچے

دیباچہ قدیم

اس کو مسٹر ویلن برگ نے ۱۸۱۰ء میں اور جولیس موہل نے ۱۸۳۷ء میں شایع کیا یہ دیباچہ اصل میں شاہنامہ ابو منصور بن عبد الرزاق طوسی کے شاہنامہ نثر کا ہے جو ۳۰۶ھ ہجری کی تصنیف ہے کیونکہ وہ امیر نصر ابن احمد سامانی کے زمانہ میں تصنیف ہوا۔ امیر مذکور کا آخری سال حکومت ۳۳۱ھ ہے۔ اس دیباچہ کی عبارت یہ ہے۔

"باز آغاز کارنامہ شاہان از گرد آورندہ ابو المنصور المعمری دستور ابو منصور محمد بن عبد الرزاق ایدون گوید"

بعد میں اس میں شاہنامہ فردوسی کے نظم کرنیکی سرگذشت کسی نے شامل کردی اور شاہنامہ فردوسی کا دیباچہ قرار دیدیا۔ یہ دیباچہ جن شاہناموں پر تحریر ہے ان کی تعداد چھ ہے ان میں سے ایک نسخہ برلن میں ہے۔ دوسرا پیرو گراؤ میں چار انگلستان میں (ان چار میں سے دو برٹش میوزیم میں ایک انڈیا آفس میں ایک آکسفورڈ کی بوڈلین لائبریری میں) ان چھ نسخوں میں سب سے قدیم برٹش میوزیم کے نسخے ہیں، ان دونوں میں جو قدیم ہے وہ نویں صدی ہجری کا لکھا ہوا ہے جو ۶۷۸ھ کے کسی نسخہ کی نقل ہے۔

غرض یہ دیباچہ جس قدیم نسخے پر ہے وہ تصنیف شاہنامہ سے پانچصدی بعد کا لکھا ہوا ہے اور جس نسخہ کی یہ نقل ہے وہ تصنیف شاہنامہ سے (۲۷۸) سال بعد کا لکھا ہوا تھا اور کم وبیش تصنیف شاہنامہ سے نوصدی کے بعد شایع ہوا۔

دیباچہ بایسنغر خانی

مرزا بایسنغر بن شاہرخ مرزا ابن امیر تیمور نے ۸۲۹ھ ہجری میں اپنے درباری شعراسے شاہنامہ کی تصیح کرائی اور یہ دیباچہ لکھا اس کو مسٹر ٹرنیکن نے ۱۲۴۵ھ میں شاہنامہ کے ساتھ شایع کیا۔ یہ دیباچہ تصنیف شاہنامہ سے (۴۲۷) سال بعد لکھا گیا اور (۸۴۵) سال بعد شایع ہوا۔

اس میں بہت غلطیاں ہیں۔ اس کی بعض غلطیوں کا کہیں ذکر آچکا ہے، بعض کا اس موقع پر بھی اظہار کیا جاتا ہے۔

(۱) نیجنگ چنگیزن یعنی ابوالحسن علی الترمذی کو سلطان محمود کا درباری

شاعر لکھا ہے یہ شاعر آل سامان کا درباری شاعر تھا۔ ۳۶۷ھ میں تھا۔

(۲) ابو حنیفہ اسکاف کو سلطان کا درباری لکھا ہے یہ سلطان ابراہیم غزنوی کا درباری تھا۔

(۳) فخر الدولہ دیلمی کے پاس فردوسی کا ایک جزو شاہنامہ بھیجنا اور فخر الدولہ کا فردوسی کو انعام بھیجنا اور محمود کو اس امر کا ناگوار ہونا مذکور ہے حالانکہ فخر الدولہ محمود کی تخت نشینی سے قبل ۳۸۷ھ میں مر چکا تھا۔

(۴) رودکی کو محمود کا درباری شاعر لکھا ہے حالانکہ رودکی ۳۰۴ھ میں مرچکا تھا۔ اسوقت محمود کیا محمود کا باپ بھی بادشاہ نہ ہوا تھا۔

دیباچہ ہاشمی

ہاشم علی بن شاہ ابراہیم شیرازی نے ۱۰۲۱ ہجری میں شاہنامہ کا انتخاب کرکے اس پر دیباچہ لکھا ہے۔ یہ دیباچہ تصنیف شاہنامہ سے تقریباً آٹھ سو برس بعد لکھا گیا۔

ان دیباچوں کی حفاظت وصحت کی کوئی ضمانت نہیں کہ اپنے مصنفوں سے عہد اشاعت تک محفوظ رہے ہوں

یہاں تک تو شاہنامہ اور چہار مقالہ اور دیباچوں کا بیان کیا گیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ تمام ذخیرہ تحریفات و اغلاط سے پر ہے کسی طرح لایق اعتماد نہیں۔ اب اس قصہ میں اور فردوسی کے ذاتی حالات میں جو اختلافات ہیں۔ ان کا بیان کیا جاتا ہے۔ جس سے ناظرین کو اندازہ ہو جائیگا۔

کہ روایت سازوں نے سلطان کو بدنام کرنے کے لیئے فردوسی کے کلام کو مسخ کیا اور اس کے ذاتی حالات کو ایسا الجھایا کہ صحیح رائے قایم نہیں کیجا سکتی۔

فردوسی کا سال ولادت

فردوسی نے شاہنامہ کا اختتام سنہ ۴۰۰ھ میں بیان کیا ہے اسی موقع پر اپنی عمر بیان کی ہے ؎

کنوں عمر نزدیک ہشتاد شد　　　امیدم بیک بارہ برباد شد

اس اعتبار سے فردوسی سنہ ۴۰۰ھ میں (۷۹) برس کا تھا لہذا (۴۰۰-۷۹ = سنہ ۳۲۱ میں وہ پیدا ہوا۔

تاریخ اسلام عباسی میں بوقت وفات اس کی عمر اسی سے زیادہ لکھی ہے گویا ۸۱ یا ۸۲، علامہ شبلی نے شعر العجم میں لکھا ہے کہ شاہنامہ ختم ہونیکے بعد وہ چار سال سے زیادہ زندہ نہیں رہا۔ اس حساب سے (۸۳) ہوتی ہے پس اگر سنہ ۴۱۱ میں اس کی وفات ہوئی تو سنہ ۳۲۹ میں ولادت ہوئی اور اگر سنہ ۴۱۶ میں وہ مرا تو پیدائش سنہ ۳۳۴ھ میں ہوئی۔

فردوسی کا نام

حسن بن اسحاق (شعر العجم وغیرہ) حسن بن علی (تاریخ گزیدہ)۔
منصور ابن فخر الدین احمد (مجالس المومنین و دیباچہ بایسنغر خانی)

صحیح حسن معلوم ہوتا ہے۔

فردوسی کی ولدیت

اسحاق بن شرف شاہ (مجمع الفصحا وغیرہ) شرف شاہ بن فخر الدین (تذکرہ)

علی (تاریخ گزیدہ) فخر الدین احمد (مجالس المومنین وحیات فردوسی)
صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے باپ کا نام اسحاق تھا۔

فردوسی کا نسب

فردوسی سیّد تھا (حیات فردوسی) اکثر مورخ اور تذکرہ نویسوں نے اس کو ایرانی الاصل لکھا تھا اور یہی صحیح ہے، آشوب تورانی لکھتا ہے ؎

مغ مغ نسب گبر آتش پرست　　بہ بیعت بہر موبد داده دست

فردوسی کا وطن

فردوسی کے وطن کے متعلق چار نام بیان کئے گئے ہیں۔
طوس۔ موضع رزان۔ موضع شاداب۔ موضع باژ۔ درحقیقت فردوسی اصل باشندہ باژ کا تھا پھر طوس میں سکونت اختیار کی۔

فردوسی کا مذہب

فردوسی تفضیلیہ سنی تھا (حیات فردوسی بحوالہ عظیم سمرقندی)۔
فردوسی صوفی تھا۔ شیخ محمد معشوق طوسی کا مرید تھا۔ (حیات فردوسی بحوالہ سر جارج ہملٹن) فردوسی معتزلی تھا۔ اُس کے اس شعر سے ثابت ہوتا ہے

بہ بینندگان آفرینندہ را　　نہ بینی مرنجاں دو بینندہ را

فردوسی شیعہ تھا جیسا کہ اس کے ان اشعار سے ثابت ہوتا ہے

اگر خلد خواہی بدیگر سرائے　　بنزد نبی وصی گیر جائے
مرا غمز کردند کاں پر سخن　　بمہر نبی و علی شد کہن

چہار مقالہ میں ہے کہ ایک متعصب سنی نے فردوسی کے جنازہ کو روکا

کہ یہ شیعہ تھا میں اس کو مسلمان کے قبرستان میں دفن ہونے دوں گا
فردوسی یہودی تھا۔ حضرت مسیح پر تبرا کرتا ہے اور ان کے مصلوب ہونے
کو بیان کرتا ہے ؎

مسیح فریبندہ خود کشتہ شد ۔ چو از دین یزداں سرش گشتہ شد

فردوسی آتش پرست تھا۔ آشوب تورانی لکھتا ہے ؎

مغ مغ نسب گبر آتش پرست ۔ بہ بیعت بہر موبد دادہ دست

شاہنامہ میں جابجا آتش پرستوں کی تعریف اور ان کے لئے دعا خیر ہے۔

فردوسی لا مذہب تھا آشوب تورانی لکھتا ہے ؎

نہ سنی نہ شیعی نہ مغ نے جہود ۔ نہ ترسا ندانم ترا دین چہ بود
زہر مذہبے فارغ از ملحدے ۔ زدیرے بروں خارج از مسجدے

فردوسی سنی تھا جیسا کہ اس کے اشعار ذیل سے ثابت ہوتا ہے ؎

چہ گفت آں خداوند تنزیل وحی ۔ خداوند امر و خداوند نہی
کہ خورشید بعد از رسولاں مہ ۔ نتابید برکس ز بوبکر بہ
عمر کرد اسلام را آشکار ۔ بیاراست گیتی چو باد بہار
پس از ہر دو آں بود عثمان گزیں ۔ خداوند شرم و خداوند دیں
چہارم علی بود جفت رسول ۔ کہ او را بخوبی ستاید رسول

مولانا نظامی گنجوی، امام غزالی رہ نے اس کو سنی لکھا ہے ان بزرگوں
کے سامنے کس کو مجال لب کشائی ہے اور کس کا قول قابل سند ہو سکتا ہے
یہی صحیح ہے۔ اسرار نامہ میں جو خواجہ فریدالدین عطار کی تصنیف مشہور ہے

(بعض محققین نے انکار کیا ہے کہ اسرار نامہ شیخ عطار کی تصنیف نہیں)
ایک روایت ــــ ہے کہ فردوسی کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے خواجہ ابوالقاسم خرقانی (پروفیسر محمود خان صاحب شیرانی نے ابوالقاسم گرگانی لکھا ہے مگر اپنے ماخذ کا پتہ نہیں دیا۔ خیر کوئی بھی) سے کہا گیا تو شیخ نے فرمایا ؎

شنودم من کہ فردوسی طوسی — کہ کرد او در حکایت بے فسوسی
بہ بست و پنج سال از نوک خامہ — بسر می برد بیت شاہنامہ
بآخر چون رسیدش دم بآخر — ابوالقاسم کہ بد شیخ الاکابر
چنیں گفت او کہ فردوسی گفت — ہمہ در حق گبر نالے گفت
مرا در کار او برگ ریا نیست — نمازم بر چنیں شاعر روا نیست

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ فردوسی سُنّی تھا اگر وہ شیعہ ہوتا تو نماز جنازہ کی فرمایش شیخ سے نہ ہوتی کسی مجتہد سے ہوتی اور اگر شیخ سے ہوتی تو شیخ فرمادیتے کہ میں شیعہ کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھتا فردوسی کی زندگی پر تبصرہ کرنے کی اُن کو ضرورت نہ ہوتی۔ کیا مشکل ہے؟ کہ فردوسی کے متعلق اس کے اور دوسروں کے اقوال جس قدر ملتے ہیں وہ بجائے معاملہ کو صاف کرنے کے اور الجھا دیتے ہیں لیکن یہ اچھا ہے کہ بد حواس روایت سازوں کی قلعی کھل رہی ہے۔ یہ روایت بوجوہ ذیل موضوع ہے

(۱) اس کے اشعار کو شیخ عطار کے اشعار سے وہی نسبت ہے جو ایک نومشق کے کلام کو ایک ماہر فن کے کلام سے ہوتی ہے اس کا فیصلہ اہل نظر کر سکتے ہیں۔

(۲) یہ روایت اسرار نامہ میں ہے جو فردوسی سے تقریباً ڈہائی صدی بعد کی تصنیف ہے اس سے پہلے یہ روایت کسی کتاب میں نظر نہیں آتی۔ چہار مقالہ جس پر فردوسی کی حکایت کا مدار ہے اس کے تذکرے سے خاموش ہے اگر یہ امر مشہور ہوتا تو وہ ضرور لکھتا جیسے اس نے جنازہ کے روکنے کا ذکر کیا ہے۔

(۳) خواجہ عطار روایت بیان کرنیوالے ہیں اور شیخ ابوالقاسم کی روایت بیان کرتے ہیں دونوں بزرگ اسلام کے امام ہیں اور مسئلہ بیان کرتے ہیں غلط ایسا مسئلہ جس کو ایک معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ نماز جنازہ کسی فاسق مسلمان کی بھی نہیں چھوڑی جاسکتی لہذا یہ روایت کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتی۔

فردوسی کی موت

فردوسی طوس میں بغرض تفریح جنگل کو گیا وہاں ایک لڑکے نے یہ شعر پڑھا ؎

اگر شاہ را شاہ بودے پدر — بسر برنہادے مرا تاج زر

یہ سنتے ہی فردوسی کو تمام واقعہ یاد آگیا۔ ایسا صدمہ ہوا کہ غش کھاکر گر گیا۔ اسی حالت میں اس کو گھر اٹھا لائے کئی دن کے بعد مر گیا۔

اکثر مورخین و تذکرہ نویسوں نے فردوسی کا سن وفات ۴۱۱ھ لکھا ہے بعض نے ۴۱۶ھ بوقت وفات اس کی عمر اسی سے زیادہ لکھی ہے۔ اس اعتبار سے (۸۱ یا ۸۲) کہے جاسکتے ہیں۔

علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ وہ شاہنامہ کی تکمیل کے بعد چار برس زیادہ زندہ نہیں رہا۔ شاہنامہ کی تکمیل کا سن سنہ ۴۰۰ھ بیان کیا جاتا ہے اس لئے (۷۹) سال ہوئے۔ چار سال بعد کو زندہ رہا اس لئے (۷۹+۴=۸۳) سال کی عمر ہوئی۔ ایک بیان میں اس کا دربار سلطانی میں (۸۵) برس کی عمر میں آنا ثابت ہوا ہے۔ لہذا فردوسی اپنے مرنے سے دو سال بعد سلطان محمود کے دربار میں آیا۔

پسماندگان فردوسی

صاحب چہار مقالہ لکھتا ہے کہ فردوسی کے لڑکی تھی۔ دولت شاہ نے لکھا ہے بہن تھی۔ باقی لکھنے والوں میں سے کسی نے چہار مقالہ سے موافقت کی ہے کسی نے دولت شاہ کا ساتھ دیا ہے۔

فردوسی نے شاعری کس عمر میں شروع کی اور کہاں شروع کی

چہار مقالہ اور شاہنامے کی روایتوں سے ثابت ہوا ہے کہ فردوسی طوس میں تھا اور شاعری کرتا تھا۔ دولت شاہ نے لکھا ہے فردوسی گورنر طوس کے ظلم سے تنگ آکر غزنین آیا یہاں آکر اس نے دربار شاہی تک فریاد کے لئے رسائی نہ پائی تو شاعری شروع کی۔ یہاں ہر خاص و عام سے اس کا یہی ذریعہ معاش تھا۔ اس کو یہ آرزو تھی کہ استاد عنصری تک رسائی حاصل کرے۔ ایک مدت کے بعد وہ باغ میں گیا (آگے وہی مصرعے لگانے کی داستان)

گذشتہ بیانات میں فردوسی کا دربار سلطانی میں آنا (۸۵ یا ۷۸)

؎ فردوسی کا سن وفات سنہ ۴۰۲ھ ہوا۔ بوقت تکمیل شاہنامہ اس نے اپنی عمر قریب ہشتاد بیان کی ہے اس لئے ص۴۴

برس کی عمر میں ثابت ہوا ہے۔ لہذا طوس سے غزنین آکر دو چار برس پریشان رہا ہوگا۔ اس لئے اس کی شاعری کا آغاز (۱۸ یا ۷۴) برس کی عمر سے ہوا حسب بیان مرقومہ بالا (۲-۹) سال شاعری کرسکا۔ پھر شاہنامہ پر (۲۵) برس کس نے محنت کی۔

شاہنامہ کا مصنف

شاہنامہ فردوسی کی تصنیف مشہور ہے لیکن بروئے تحقیق اس کے تین مصنف ثابت ہوتے ہیں، ہاں اس میں زیادہ حصہ فردوسی کا ہے۔
ایکہزار اشعار اس میں دقیقی کے ہیں (تذکرہ ہفت اقلیم و مجمع الفصحا)
فردوسی کو بھی اس کا اقرار ہے ؎

زگشتاسپ و ارجاسپ بیتی ہزار   بگفت و سر آمد ورا روزگار
پذیرفتم و داشتم زو سپاس   مرا در دل آمد زہر گوہراس

تاریخ فرشتہ کا بیان ہے۔
"استاد اسدی طوسی در روزگار سلطان محمود استاد فرقہ شعرائے خراسان بود او بکرات تکلیف نظم شاہنامہ کردند او پیری و ضعیفی را بہانہ کردہ استغفار کرد دیوان او متعارف نیست و در مجموعہائے شعرا بہ نظر می آید، فردوسی کہ شاگرد اوست ہمیشہ اشارت بنظم شاہنامہ میکرد تا آخر خیال شد، و چون فردوسی از غزنین گریخت بطوس و از انجا بہ رشمدار (قہستان)

وطالقان رفتہ باز بطوس مراجعت کرد در حین قرب وفات اسدی را بخواند و گفت وقت رحلتست و از شاہنامہ قلیلے ماندہ و کسے را قوت نباشد کہ باقی را بقید نظم درآرد، اسدی گفت ای فرزند غمگین مباش اگر حیات باشد من باتمام رسانم فردوسی گفت لے اُستاد تو پیری مشکل کہ این کار از تو کفایت شود اسدی گفت ان شاء اللہ تعالیٰ بشود و در ہمان چند روز شروع کردہ از اوّل استیلائے عرب بر عجم تا آخر کہ چار ہزار بیت می شود بقید نظم درآورد و فردوسی ہنوز زندہ بود کہ بنظرش گذرانید و او خوشحال شدہ بر ذہن مستقیم استاد آفریں خواند۔"

یہ روایت اسی طرح آتشکدۂ آذر میں ہے۔

شاہنامہ تصنیف فردوسی بصنعت لزوم زبان فارسی تکملۂ آن حکیم اسدی استاد فردوسی کردہ بود (خیابان)

شاہنامہ کی تعداد اشعار

اکثر مورخوں اور تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ شاہنامہ میں ساٹھ ہزار اشعار تھے۔ تاریخ اسلام عباسی میں ہے کہ اسّی ہزار تھے۔ لیکن ان دونوں تعدادوں کا تیئس نسخوں میں سے ایک بھی نہ نکلا۔

شاہنامہ کا آغاز کس طرح ہوا

شاہنامہ کی تصنیف کا فردوسی نے طوس میں خود قصد کیا۔ اپنے ایک

دوست سے مشورہ کیا۔ اس نے اس کی تائید کی اور اس کو تاریخی مواد دیا فردوسی نے یہ خود بیان کیا ہے ؎

بشہرم یکے مہربان دوست بود | تو گفتی کہ با من بہ یک پوست بود
مرا گفت خوب آمد این رائے تو | بہ نیکی خرامد مگر پائے تو
نوشتہ من این نامہ پہلوی | بہ پیش تو آرم مگر نغنوی
شو این نامہ خسروان باز گو | بدین جوئے زد میہمان آبرو
چو آورد این نامہ نزدیک من | برافروخت این جان تاریک من

چہار مقالہ کی عبارت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ فردوسی خود ہی شاہنامہ تصنیف کر رہا تھا۔ فردوسی کے جس دوست نے اس کو یہ مواد دیا اس کا نام محمد لشکری تھا جب فردوسی نے یہ کام شروع کیا تو اپنے پیر و مرشد شیخ محمد معشوق طوسی سے ذکر کیا۔ شیخ نے ابو منصور گورنر طوس کو خط لکھدیا۔ ابو منصور یہ خط دیکھکر بہت خوش ہوا اس نے فردوسی کی تنخوا مقرر کر دی کچھ عرصہ کے بعد منصور مر گیا۔ فردوسی خود اس واقعہ کو بیان کرتا ہے ؎

بدین نامہ چون دست کردم دراز | یکے مہترے بود گردن فراز
جوان بود از گوہر پہلوان | خردمند بیدار روشن روان
مرا گفت کز من چہ آید ہمے | کہ جانت سخن بر گراید ہمے
بچیزے کہ باشد مرا دسترس | بکوشم نیازت نیازم بکس
چنان نامور گم شد از انجمن | چو از باد سرو سہی در چمن

اس کا نام محمد بن منصور تھا۔ یہ ۳۵۲ھ میں مرا۔ اس وقت تک سلطنت

غزنین کا اثر طوس پر نہ تھا۔ بلکہ طوس وغیرہ مقامات سیمجوریوں کے جولانگاہ تھے۔ یہ منصور بھی غالباً سیمجوریوں کی طرف سے حاکم تھا۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ منصور کے بعد ارسلان خان گورنر طوس نے فردوسی کی قدردانی کی اور دربار سلطانی میں سفارش کی اسی سفارش پر فردوسی طلب کیا گیا (یہ ارسلان جاذب ہی سلطان کا غلام تھا ۳۸۹ھ میں طوس کا گورنر ہوا) یہ بھی لکھا ہے کہ حی قتیبہ گورنر طوس تھا۔ وہ فردوسی کا قدردان اور معاون تھا۔ اس کے متعلق فردوسی کا یہ شعر ہے ؎

کہ حی قتیبہ است از آزادگان کہ از من نخواہد سخن رائیگان

یہ حسین قتیب ہے فردوسی کا یہ شعر اس کے متعلق ہے ؎

ہمہ کار ہا شد سر اندر نشیب مگر دست گیرد حسین قتیب

غرض سلطان محمود کی فرمایش کا ثبوت نہیں۔

شاہنامہ کی مدّت تصنیف

۶ سال۔ فردوسی قصہ بنظم می آورد تا مدت شش سال تمام کرد (دیباچہ قدیم)

۲۵ سال۔ بست و پنجسال درآن مشغول بود (چہار مقالہ)

بہ بست و پنجسال از نوک خامہ بسر می برد بیت شاہنامہ (اسلامی نامہ)

۱۵ سال۔ چہار مقالہ کے بعض نسخوں میں بست و پنج کی جگہ پانزدہ لکھا ہے ممکن ہے کہ کاتب کی غلطی ہو۔

۳۰ سال ؎

کزان پیچ شد رنج سی ساله ام | شنید آسمان از زمین ناله ام (فردوسی)
بسے رنج بردم دریں سال سی | عجم گرم کردم بدیں پارسی (فردوسی)

۳۵ سال سے

چو بر باد دادند گنج مرا | نبد حاصلے سی و پنج مرا (فردوسی)
بسی سال و پنج از سرائے سپنج | چنیں رنج بردم بامید گنج (فردوسی)

۱۳ سال سے

سہ دہ سال رنج و مشقت کشید | کہتا نظم شاہنامہ آمد پدید (سلطان محمود)

۶-۱۳-۱۵-۲۵ یہ مدتیں تو غیروں نے بیان کی ہیں - فردوسی سے (۳۰ و ۳۵) دو مدتیں منقول ہیں - تیس کے متعلق جو اشعار ہیں، ان میں دوسرا شعر غلط ہے وہ فردوسی کا نہیں ہو سکتا - ۳۵ کی مدت دو صحیح اشعار سے ثابت ہے - ساٹھ ہزار اشعار تاریخی کا صنعت لزوم میں (۳۵) سال میں مکمل ہو جانا سہل نہیں بہت مشکل ہے - اس لئے یہی مدت صحیح ہے

شاہنامہ کا سال آغاز

شاہنامہ کی مدت تصنیف ۶-۱۳-۱۵-۲۵-۳۰-۳۵ سال بیان کیگئی ہے اور سال اختتام ۳۷۱ھ ۳۸۴ھ ۳۹۱ھ ۴۰۰ھ بیان کیئے گئے ہیں.
بعد تکمیل (۴) سال تک فردوسی نے اس کا محفوظ رکھنا بیان کیا ہے

سخن را نگہ داشتم سال بیست | کہ بینم سزاوار این گنج کیست

اس لئے اگر مدت تصنیف ۶ سال ہے تو (۶+۲۰ = ۲۶) (۳۷۱-۲۶

= ۳۴۵ سنہ) سال آغاز ہوا
۳۲۶ سنہ کو سال اختتام مان کر (۱۳) سالہ مدت کے اعتبار سے ۳۲۶ سنہ
اور (۲۵) کے اعتبار سے ۳۲۲ سنہ اور (۳۰) کے اعتبار سے ۳۲۱ سنہ اور (۳۵)
کے اعتبار سے ۳۱۶ سنہ ہوئے۔
۳۸۴ سنہ کو سال اختتام مان کر ۳۵۸ سنہ ۳۵۱ سنہ ۳۳۹ سنہ ۳۳۵ سنہ ۳۳۰ سنہ
ہوتے ہیں۔
۳۸۹ سنہ کو سال اختتام مان کر ۳۶۳ سنہ ۳۵۶ سنہ ۳۴۴ سنہ ۳۳۹ سنہ
۳۳۴ سنہ ہوتے ہیں۔
۳۹۱ سنہ کو سال اختتام مان کر ۳۶۵ سنہ ۳۵۸ سنہ ۳۴۶ سنہ ۳۴۱ سنہ
۳۳۶ سنہ ہوتے ہیں۔
۴۰۰ سنہ سال اختتام مان کر ۳۷۴ سنہ ۳۶۷ سنہ ۳۵۵ سنہ ۳۵۰ سنہ ۳۴۵ سنہ ہوتے ہیں
ان میں سب سے بڑا عدد ۳۷۴ سنہ ہے۔ سلطان محمود ۳۸۸ سنہ میں
تخت نشین ہوا۔ شاہنامہ کے آغاز سے (۱۴) سال بعد پھر شاہنامہ
کا سلطان کی فرمایش سے لکھا جانا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے
فردوسی نے منصور کو بھی شاہنامہ کا سرپرست بیان کیا ہے اور منصور
۳۷۰ سنہ میں مرا اس لئے شاہنامہ کا آغاز ۳۷۰ سنہ سے قبل ماننا پڑے گا۔
ان اعداد میں ایک عدد ۳۶۷ سنہ ہے اس لئے یہی صحیح ہے۔

شاہنامہ کا سال اختتام

شاہنامہ ۴۰۰ سنہ میں مکمل ہو کر سلطان کے دربار میں پیش ہوا۔

اکثر مورخوں اور تذکرہ نویسوں نے یہی لکھا ہے۔
فردوسی کے بیان سے مختلف سن ثابت ہوتے ہیں۔

۴۰۰ھ - ز ہجرت شدہ پنج ہشتاد بار — کہ گفتم من این نامۂ شہریار
۳۷۱ھ - چو سال اندر آمد بہفتاد و یک — ہمہ شعر زیر اندر آمد فلک
۳۸۴ھ - سر آمد کنوں قصہ یزدگرد — بماہ سفندار مذ روز ارد
ز ہجرت شدہ سی صد از روزگار — چو ہشتاد و چار از برش بر شمار
(شاہنامہ قدیم برٹش میوزیم)

شاہنامہ برٹش میوزیم پر اس کا سال اختتام بھی درج ہے حاجی خلیفہ نے بھی یہی لکھا ہے ابو الفتح علی بن محمد البنداری الاصفہانی نے جس نے شاہنامہ کا عربی میں ترجمہ کیا۔ اس کا سال اختتام بھی لکھا ہے۔

۳۸۹ھ - اگر سال سر آمد وقت آمد است — نہم سال و ہشتاد با سی صد است

۳۹۱ھ - چہار مقالہ کی وہ روایت نقل کیجا چکی ہے کہ محمود ہندوستان سے واپس آرہا تھا۔ ایک باغی کو پیغام بھیجا جس پر وزیر نے یہ شعر پڑھا ع
(اگر جز بکام من آید جواب)

تو گویا محمود کے ہندوستان پر حملہ کرنے سے قبل شاہنامہ مکمل ہو چکا تھا محمود کا حملہ ہندوستان پر ۳۹۲ھ میں ہوا اس لئے ۳۹۳ھ سے قبل شاہنامہ پیش ہو چکا تھا۔ اور فردوسی بھاگ چکا تھا پس زیادہ سے زیادہ ۳۹۱ھ ۳۷۱ھ محمود کی ہندوستان والی حکایت سے ۳۹۱ھ میں شاہنامہ کا دربار سلطانی میں پیش ہونا ثابت ہوتا ہے اور فردوسی نے بیان کیا ہے

کہ میں نے (۲۰) برس تک اسکو اس لئے محفوظ رکھا کہ کس کے نام پر معنون

کروں ؎

سخن را نگہ داشتم سال بیست
کہ بینم سزاوار این گنج کیست

اسلئے (۳۹۱ – ۲۰ = ۳۷۱ھ) میں شاہنامہ مکمل ہوا۔

۴۰۲ھ تک شاہنامہ ختم نہیں ہوا تھا اور فردوسی اس سن تک دربار سلطانی میں موجود تھا یہ بات داستان وفات سکندر کے خاتمہ سے ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس میں اس قحط کا ذکر ہے جس میں سلطان نے رعایا کو ایک سال کا خراج معاف کر دیا تھا۔

گذشتہ ز شوال دہ با چہار
یکے آفرین باد بر شہریار

ازین مژدہ دادند بہر خراج
کہ فرمان بہ از شاہ با فر و تاج

کہ سالے خراجے نخواہند بیش
ز دیندار و بیندار و از مرد کیش

مورخ عتبی نے لکھا ہے کہ یہ معافی خراج و الا قحط ۴۰۲ھ میں ہوا۔

صحیح یہ ہے کہ شاہنامہ فردوسی کی حیات میں مکمل نہیں ہوا۔

سال اختتام ۴۰۰ھ کثرت سے بیان کیا گیا ہے اس میں سے مدت تصنیف (۳۵) سال تفریق کیجائے تو ۳۶۵ھ برآمد ہوتے ہیں لہذا ۳۶۵ھ سے آغاز ماننا پڑے گا۔ گویا سلطان کی تخت نشینی سے (۲۳) سال قبل شاہنامہ کا آغاز ہوا پھر اس کو سلطان کی فرمائش سے کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے

فردوسی نے شاہنامہ کس عمر میں شروع کیا

فردوسی نے ۴۰۰ھ میں اپنی عمر (۷۹) بیان کی ہے اس لئے اس کا سال ولادت

سنہ ۳۲۱ ہے اور سنہ ۴۰۰ میں اس نے شاہنامہ کا ختم کرنا بیان کیا ہے۔
(۳۵) سال مدت تصنیف اور ۲۰ سال اس کا محفوظ رکھنا بیان کیا ہے اسلئے
(۳۵+۲۰=۵۵) (۳۷۱ - ۵۵ = سنہ ۳۱۶) میں اس نے شاہنامہ
تصنیف کرنا شروع کیا۔ گویا اپنی ولادت سے چھ سال قبل ایک جگہ مدت
تصنیف (۳۰) بیان کی ہے۔ اس اعتبار سے شاہنامہ کا آغاز سنہ ۳۲۱ میں
ہوتا ہے گویا جسدن پیدا ہوا اُسی دن سے شاہنامہ لکھنا شروع کردیا۔

فردوسی نے کس عمر میں شاہنامہ ختم کیا

شاہنامہ کا آغاز سلطان کی فرمائش سے بیان کیا ہے سلطان سنہ ۳۸۷
میں تخت نشین ہوا۔ اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ سلطان نے تخت نشین
ہوتے ہی سب سے پہلے یہ حکم دیا کہ فردوسی شاہنامہ نظم کرے تو (۳۵) سال
میں شاہنامہ طیار ہوا اور سلطان نے (۳۲) سال حکومت کی تو سلطان
کی وفات سے تین سال بعد طیار ہوا اور فردوسی نے اپنے مرنے سے گیارہ
سال بعد یا چھ سال بعد شاہنامہ ختم کیا کیونکہ اس کی وفات کے متعلق
دو سن بیان کئے گئے ہیں سنہ ۴۱۱ و سنہ ۴۱۶۔

شاہ نامہ کا مقام آغاز و اختتام

چہار مقالہ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ فردوسی طوس میں شاہنامہ
لکھ رہا تھا۔ پھر اس کو سات جلدوں میں نقل کراکر غزنین لیگیا۔ اس سے
ثابت ہے کہ طوس ہی میں شروع ہوا اور طوس ہی میں ختم ہوا۔
تاریخ فرشتہ اور خیابان کے بیان سے ثابت ہے کہ فردوسی کے مرنے

تک شاہنامہ مکمل نہ ہوا تھا۔ بعد کو اسدی نے مکمل کیا۔ اس روایت سے
بھی مقام آغاز و اختتام طوس ہی ثابت ہوتا ہے۔

اس قسم کی چند روایات نقل کیجا چکی ہیں کہ فردوسی کو سلطان نے
شاہنامہ پر مامور کیا، ان روایات سے شاہنامہ کا آغاز غزنین میں اختتام
بھی غزنین میں ثابت ہوتا ہے۔

دولت شاہ کے بیان سے ثابت ہے کہ فردوسی نے شاعری غزنین میں
آکر شروع کی تو شاہنامہ کا آغاز غزنین میں ثابت ہوا۔

فردوسی اور دربار سلطانی

فردوسی کس طرح دربار سلطانی میں پہونچا۔ اس واقعہ کے ہر ہر جزو
میں اختلاف ہے صاحب چہار مقالہ نے لکھا ہے کہ علی دیلم اور بودلف
فردوسی کو غزنین لیکر گئے اور خواجہ بزرگ حسن میمندی کے ذریعہ باریاب
ہوئے، صاحب مجمع الفصحا نے لکھا ہے۔ طوس کے حاکم کے ظلم سے تنگ
آکر فردوسی غزنین گیا، ایک باغ میں عنصری عسجدی، فرخی شاہی شعراء
بیٹھے تھے فردوسی بھی پہونچگیا، ان کو ناگوار ہوا انہوں نے کہا ہم شاہی شعراء
ہیں اگر تو شاعر ہے تو ہمارے پاس بیٹھ جا ورنہ چلا جا ہم ایک ایک مصرعہ
کہتے ہیں تو بھی ایک مصرعہ کہہ۔

عنصری نے کہا	چون عارض تو ماہ نباشد روشن
عسجدی نے کہا	مانند رخت گل نبود در گلشن
فرخی نے کہا	مژگانت ہمی گذر کند از جوشن

فردوسی نے کہا   مانند سنان گیو در جنگ لشن

یہ سنکر عنصری نے فردوسی کے مصرعہ کی بہت تعریف کی اور کہا کہ تو تاریخ عجم سے واقف ہے فردوسی نے کہا ہاں اور وہ میرے پاس موجود ہے عنصری نے فردوسی کو اپنا مصاحب بنالیا۔

(اس زمانے کے اکثر مصنف ناموں سے مرعوب ہوجاتے ہیں اور کسی معاملہ کو اسکی اہمیت بڑہانے کے لئے بے سوچے سمجھے لکھدیتے ہیں۔ مسٹر احسان اللہ مصنف تاریخ اسلام اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں ان شاعروں (یعنی عنصری وغیرہ) نے سمجھا تھا کہ روشن گلشن جوشن کے علاوہ اور کوئی لفظ نہ ملے گا، کوئی پوچھے حضرت اس کے تو سینکڑوں قافیے ہیں۔ چمن زمن۔ دہن۔ وطن وغیرہ، آپ کیسے سمجھ بیٹھے کہ ان شاعروں نے یہ سمجھا تھا کہ دوسرا لفظ نہ ملے گا۔ اگر جناب کو شاعری میں دخل نہ تھا تو اس رائے کا لکھنا کیا ضرور تھا۔ گشن بمعنے انبوہ بسیار بھی اس کا قافیہ ہے۔ فردوسی نے خود اس قافیہ کو باندہا ہے۔ ایا زکی تعریف میں لکھتا ہے ؎

یکے سرو بر سبز و برگش گشن   بر و شاخ چون رزمگاہ پشن)

"مانند سنان گیو در جنگ لشن" یہ مصرعہ فردوسی کا نہیں ہوسکتا کیونکہ مقام لشن کی جنگ میں جو ایرانیوں اور تورانیوں میں ہوئی تھی ایرانی بھاگے تھے۔ انہیں میں گیو بن گودرز بھی تھا۔ اس لئے اس جنگ میں گیو کے لئے کوئی فخر و تعریف کا موقع نہ تھا۔ شرم کا موقع تھا۔ چنانچہ شاہنامہ میں ہے

کہ ہومان تورانی پہ شکست گیو کو یاد دلاتا ہے ؎

تو دانی کہ من روز جنگ پشن · چہ کشتم بیدان رزمگاہ کشن

سلطان نے عنصری کو تاریخ عجم نظم کرنے کا حکم دیا۔ اس کو یہ کام مشکل معلوم ہوا۔ اس نے فردوسی سے دریافت کیا کہ تو شاہنامہ نظم کر سکتا ہے فردوسی نے کہا ہاں۔ عنصری نے اس کو دربار سلطانی میں پیش کر دیا۔

بعض نے لکھا ہے کہ فردوسی باغ میں شعرا کی مجلس میں گیا، ان سے موافقت نہ ہوئی چلا آیا۔ اتفاقاً سلطان کے مصاحب ماہک سے ملاقات ہو گئی۔ اس نے اس کو اپنا مصاحب بنا لیا۔ عنصری نے رستم و سہراب کی داستان لکھکر سلطان کے حضور میں پیش کی۔ ماہک نے فردوسی سے ذکر کیا۔ اس نے داستان رستم و اسفندیار نظم کر کے ماہک کو سنائی، ماہک نے اس کو سلطان کے حضور میں پیش کر دیا۔ سلطان نے کہا سب ایک ایک مصرعہ کہیں، اس طرح مرقومہ بالا مصرعے کہے گئے۔ سلطان نے فردوسی کا مصرعہ پسند کیا۔ اور اس کو نظم شاہنامہ پر مامور کیا۔ (آتشکدۂ آذر)

شاہنامہ میں فردوسی اپنا محسن ابو العباس خواجہ فضل بن احمد وزیر اوّل (یہ وزیر دس سال رہا۔ ۴۰۱ھ میں معزول ہوا۔ تاریخ یمینی) کو بیان کرتا ہے اس کی مدح لکھتا ہے ؎

ز دستور فرزانۂ دادگر · پراگندہ رنج من آمد بسر

ایک روایت یہ ہے کہ ارسلان خان گورنر طوس نے دربار سلطانی میں فردوسی کی سفارش کی۔ سلطان نے اس کو طلب کر لیا۔

عظیم سمرقندی کا بیان ہے کہ ارسلان خان کی مدح میں فردوسی نے
کوئی قصیدہ نہیں لکھا اس لئے ارسلان خان اس کو ستانے لگا وہ مجبور
ہو کر طوس کو چلا گیا۔ اسی دوران میں دربار سلطانی سے فردوسی کی طلبی
آگئی۔ (ارسلان خان اور فردوسی طوس ہی میں تھے۔ اب کون سے طوس
کو چلا گیا) فردوسی روانہ ہو گیا۔ سلطان کے میر منشی بدیع الدین نے رودکی
اور عنصری وغیرہ شعراء سے فردوسی کی طلبی کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا کوئی تدبیر
ایسی کرنی چاہئیے کہ فردوسی نہ آئے چنانچہ مشورہ کے بعد ان شعراء نے فردوسی
کو خط لکھا کہ سلطان قدر دان نہیں ہم لوگ بھی یہاں سے جانے والے ہیں
چونکہ آپ ہمارے ہم پیشہ ہیں۔ اس لئے آپ کو لکھتے ہیں کہ یہاں آکر ذلیل
نہ بنو۔ یہ خط ہرات میں فردوسی کو ملا۔ فردوسی بہت افسردہ ہوا اسی دوران
میں میر منشی سے اور عسجدی سے چل گئی۔ میر منشی نے فردوسی کو خط لکھا کہ
جو خط تم کو شعراء نے لکھا ہے وہ دھوکہ دینے کے لئے لکھا ہے تم فوراً آؤ۔
فردوسی نے جواب میں لکھا میں حاضر ہوتا ہوں اور یہ اشعار لکھے سے

بگوشش از سروشم لبے پُر دہاست — دلم گنج گوہر زبان اژدہاست
چہ سنجد سپیران من عنصری — گیا چون کشد پیش گلبن سری
زبے دانشی باشد و کودکی — کہ رائے فردنی زند رودکی

(حیات فردوسی بحوالہ سرجان ملکم)

اس روایت میں وہی تاریخی غلطی ہے جس کا ذکر ہو چکا کہ رودکی سلطان
کے عہد میں نہ تھا یہ امر بھی قابل غور ہے کہ شعراء اگر ایسا خط لکھتے تو میر منشی او

فردوسی دونوں کو ہاتھ کے ہاتھ ان سے بدلہ لینے کا خاص موقع تھا۔ وہ خط سلطان کے حضور میں پیش کر دیا جاتا۔ کیونکہ اس میں سلطان کی قدردانی پر دھبہ لگایا گیا تھا۔

ایک صورت اس روایت کی یہ ہے کہ عنصری۔ فرخی۔ زینبی۔ چنگیزی خرمی۔ ترمذی، ان سات شعرا کو سلطان نے شاہنامہ نظم کرنے حکم دیا۔ (چنگیزی وغیرہ محمود کے درباری نہ تھے یہ کہیں لکھا جا چکا ہے)

فردوسی کو جب یہ معلوم ہوا پہونچا اور دربار سلطانی میں اطلاع کیلئے آدمی بھیجا اور خود باغ میں ٹہلنے لگا۔ وہاں عنصری وغیرہ بیٹھے تھے (آگے وہی مصرعہ لگانے کی داستان) فردوسی کا مصرعہ سنکر عنصر حیران ہوگیا اور آدمیوں کو بہکا دیا کہ اس کی اطلاع نکریں۔ فردوسی مدت تک پریشان رہا آخر ماہک کے ذریعہ دربار سلطانی میں رسائی پائی اور یہ نظم پیش کی ؎

چو خورشید ہرگاہ بنمود تاج زمین شد بکردار تابندہ عاج
چہ گوئی کہ خورشید تابان چہ بود کزو در جہاں روشنائی فزود (الخ)

عنصری یہ اشعار سنکر فردوسی کے قدموں پر گر پڑا اور کہا ؎

سخن گرچہ آمد ز چرخ بلند چو بارش بران بردی اے ہوشمند
تو دادی درین عرصہ داد سخن کہ بادی ستودہ بہر انجمن
بنمودہ ہنر عنصرت بے شمار بماند چو نامت سخن یادگار
تو شاہنشہ ملک نظم دری بہ بندد بہ پیشت کمر عنصری

اس کے بعد سلطان نے فردوسی کو شاہنامہ نظم کرنے کا حکم دیا۔

مجمع الفصحا میں ہے کہ ایاز کے ذریعہ سے فردوسی نظم شاہنامہ پر مامور کیا گیا

فردوسی دربار سلطانی میں کس عمر میں آیا اور کس عمر میں نکالا گیا

فردوسی پچاسی برس کی عمر میں دربار سلطانی میں اپنا آنا بیان کرتا ہے ؎

ازامروز تا سال ہشتاد و پنج — بکہ دارم اورا بامید گنج
من این نامہ آخر گرفتم بفال — ہمی رنج بردم بہ بسیار سال
سخن را نگہ داشتم سال بیست — بدان تا سزاوار این گنج کیست
جہاندار محمود با فر وجود — کہ اورا کند ماہ و کیوان سجود

دوسری جگہ (۸۷) سال بیان کرتا ہے داستان کیخسرو کے خاتمہ پر ؎

بدانگہ کہ بد سال ہفتاد و ہشت — جوان بودم و چون جوانی گذشت
خروشے شنیدم ز گیتی بلند — کہ اندیشہ شد پیر و بن بے گزند
کہ باشد بہ پیری مرا دستگیر — خداوند شمشیر و تاج و سریر
کہ این نامہ بر نام شاہ جہان، — بگویم نمانم سخن در میان
یکے بندگی کردم اے شہریار — کہ ماند ز تو در جہان یادگار

یہ کیا عجیب تماشا ہے کہ ۸۵ - ۸۷ برس کی عمر میں تو دربار میں پہنچنا بیان کرتا ہے اور ۹۷ برس کی عمر میں خارج ہونا بیان کرتا ہے ؎

کنون عمر نزدیک ہشتاد شد — امیدم بہ یکبارہ برباد شد

دربار سلطانی میں فردوسی کے بہی خواہ

گزشتہ بیان سے حسن میمندی، عنصری، ماہک، خواجہ ابوالعباس

فضل ابن احمد اسفرائینی وزیر۔ بدیع الدین میر منشی، ایاز یہ لوگ دربار شاہی میں فردوسی کے محسن دوست ثابت ہوئے ہیں۔ ایاز فردوسی کو باپ کہا کرتا تھا اور فردوسی اسکو بیٹا کہا کرتا تھا (حیات فردوسی)

دربار سلطانی میں فردوسی کے دشمن

جو فردوسی کے بہی خواہ اور مربی ظاہر کئے گئے ہیں وہی دشمن بتائے گئے ہیں۔ حسن میمندی کے متعلق لکھا ہے کہ وہ چونکہ خارجی المذہب تھا اسلئے فردوسی کا مخالف تھا۔ فردوسی نہ اس کی مدح میں کچھ کہتا تھا نہ اس کے مکان پر جاتا تھا۔ یہ رباعی فردوسی نے لکھی تھی ؎

من بیش کز مبادی فطرت بنودہ ام
مایل بمال ہرگز و طامع بجاہ نیز
سوئے در وزیر چرا ملتفت شوم
چون فارغم ز بارگہ پادشاہ نیز

یہ اشعار بھی فردوسی نے اس کے متعلق لکھے تھے ؎

بدل ہر کہ بغض علی کرد جائے ... زمادر بود عیب آن تیرہ رائے
کہ ناپاک زادہ بود خصم شاہ ... اگرچند باشد ز پالیزان گاہ
ز میمندی آئین مردی مجو ... ز نام و نشانش مکن جستجو
قلم بر سر او بزن ہمچو من ... کہ گم باد نامش بہر انجمن
بگفتہ حسن کز ژ یا وہ گو ... نشاید شنیدن سخن زشت او

یہ نظم بھی فردوسی کی نہیں ہو سکتی اسلئے (۱) کہ یہ حسن میمندی محمود کے دربار

میں نہ تھا (۲) پہلے شعر کے مصرع اوّل میں بدل اضافت کے ساتھ پڑھا جائے تو صحیح ہوگا اور بصورت اضافہ مصرعہ نہ ملے گا (۳) آخری شعر مہمل ہے۔

دیباچہ بایستغر خانی میں ہے۔

"ارکان (دربار سلطانی) ازین جہت بافردوسی انواع خلق و محبت و کرم ہمی نمودند و فردوسی در مدح ایشان سخن گفتے حسن میمندی ازین جہت بافردوسی سطنہ داشتے۔"

عنصری فردوسی کا مخالف تھا۔ اس کے متعلق پہلے روایت نقل کیجا چکی ہے، ایاز فردوسی کا مخالف تھا۔ (تذکرہ دولت شاہ سمرقندی)

ابوسہل ہمدانی وزیر و ابومنصور دبیر فردوسی کے مخالف تھے۔

(دیباچہ قدیم)

دربار سلطانی سے فردوسی کا اخراج

اکثر مورخوں اور تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے سلطان انعام میں بجائے درہم طلا کے درہم نقرہ دینے لگا اس لئے فردوسی ناراض ہوکر چلا آیا۔ نظامی عظیم سمرقندی کی روایت یہ ہے کہ فردوسی نے رستم و اسفندیار کی داستان چھپا کر فخر الدولہ دیلمی کے پاس بھیجی۔ اس نے ہزار دینار انعام بھیجا۔ یہ راز فاش ہوگیا۔ چونکہ فخر الدولہ اور محمود کی عداوت تھی۔ محمود کو ناگوار گذرا یہ محمود کی قدردانی پر سخت حملہ اور دھبہ تھا۔ روایت میں یہ تاریخی غلطی ہے کہ سلاطین دیالمہ میں سے فخر الدولہ محمود کا ہمعصر نہ تھا۔ اس

اس خاندان کے چار فرمانروا محمود کے ہمعصر ہوئے ہیں - بہار الدولہ - مجد الدولہ - سلطان الدولہ - شرف الدولہ - فخر الدولہ ۳۸۷ھ میں مرا محمود کی تخت نشینی سے قبل -

ایک روایت یہ ہے کہ علما نے شکایت کی کہ فردوسی نے آتش پرستوں کی بڑے زور سے مدح کی ہے اور بزرگان اسلام کی توہین کی ہے اور اس کے اس قسم کے اشعار پیش کئے ہے

زشیر شتر خوردن و سوسمار   عرب را بجائے رسید است کار
کہ تاج کیاں را کنند آرزو   تفو بر تو اے چرخ گردان تفو

سلطان اس پر ناخوش ہوا -

ایک روایت یہ ہے کہ فردوسی نے سلطان کے مذہب پر مہذب و غیر مہذب حملے کئے - اس پر سلطان ناخوش ہوا

دیباچہ قدیم میں ہے -

" اما بر سر شاہنامہ شرط ادب نگاہ نداشتہ بود سخن در مذہب خود گفتہ

گرت زین بد آید گناہ من است   چنین است این رسم و راہ من است

سلطان را ناخوش آمد و سیاست فرمود پس عنصری و جملہ شاعران زمین بوس کردند و او را از سیاست خلاص دادند "

ایک روایت ہے کہ فردوسی کے مخالفوں نے سلطان سے کہا کہ یہ قرمطی ہے - سلطان نے فردوسی سے دریافت کیا - فردوسی نے سلطان کے پیروں پر گر کر کہا میں سنّی المذہب ہوں

سلطان نے کہا کہ اس فرقہ کے بڑے بڑے لیڈر طوس کے رہنے والے تھے خیر میں تجھ کو معاف کرتا ہوں تو اس مذہب سے توبہ کرے اسوقت سے فردوسی بدگمان و خائف ہو گیا۔

صاحب حیات فردوسی نے اسواقعہ کے متعلق ایک طویل داستان لکھی ہے جس سے کھیٹر کا نقشہ دربار سلطانی میں نظر آتا ہے ۔ ایک طرف سے سوال ہے دوسری طرف سے جواب ہے ۔ بیت بازی ہے ۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ۲۵ برس میں فردوسی نے ساٹھ ہزار اشعار پر شاہنامہ ختم کر کے سلطان کے حضور میں پیش کیا ۔ سلطان نے حکم دیا کہ ساٹھ ہزار اشرفیاں دیدی جائیں حسن میمندی نے کہا کہ یہ رقم کثیر دیکھکر اس کو شادی مرگ ہو جائے گا۔ اس لئے مناسب ہے کہ ساٹھ ہزار روپیہ دیا جائے ۔ سلطان نے کہا اچھا فی الحال یہی بھیجدو باقی انعام اس کا بعد میں بھیجدیا جائیگا ۔ ایاز یہ انعام لیکر گیا ۔ فردوسی انعام کو دیکھکر افسردہ ہوا ۔ ایاز نے یہ واقعہ آکر سلطان سے کہا سلطان میمندی پر ناراض ہوا میمندی نے کہا ؎

عطا گرچہ اندک دہد بادشاہ ۔۔۔ بہ بسیار لیش کرد باید نگاہ،
کہ ہر کس کہ منظور شاہی بود ۔۔۔ سزاوار دیہیم و گاہی بود،
گرت سیل باید پر قطرہ شو ۔۔۔ تو این نکتہ از عین حکمت شنو،
زباران بود قطرہ از ابتدا ۔۔۔ ولیکن شود سیل در انتہا،

اور کہا وہ قرمطی ہے اس لئے اس نے یہ جسارت کی یہ سنکر سلطان کا غصہ میمندی کی طرف سے فرو ہو کر فردوسی پر ہو گیا ۔ اور اسکی وہ تمام شکایتیں بھی

یاد آگئیں جو علما نے کی تھیں۔ سلطان نے کہا "آن قرمطی را باید او در پائے پیل اندازم"۔ ایاز نے فردوسی کو خبر پہنچائی۔ فردوسی آکر سلطان کے پیروں میں گر پڑا اور کہا کہ میں قرمطی نہیں ہوں۔ دشمنوں نے مشہور کر دیا ہے۔ اور یہ اشعار پڑھے ؎

چو در ملک سلطان کہ جز خوش ستود — بسے ہست ترسا و گبر و یہود
کز ایشان بجز یہ کفایت کنند — زر و مال خون شان حمایت کنند
گرفتند در ظل عدلش قرار — شود ایمن از گردش روزگار
چہ باشد کہ سلطان گردوں شکوہ — رہی را شمارد یکے از گروہ

سلطان کا غصہ فرو ہوا معاف کر دیا۔ فردوسی کا دل مطمئن ہوا اسلئے بھاگنے کا ارادہ کیا۔ اس نظم کے دوسرے شعر کے آخر مصرعہ میں خون اضافت سے پڑھا جائیگا تو صحیح ہوگا اور بصورت اضافت مصرع نہ بنیگا تیسرے شعر کے مصرعہ اولی میں جمع کا صیغہ ہے اور مصرعہ ثانی میں واحد غلط ہے ایک روایت یہ ہے کہ سلطان نے حسن میمندی کو قتل کرا دیا کہ میں تیرے سبب سے مطعون ہوا۔ داستان شیرین خسرو کی تمہید میں شاہنامہ کے ذکر کے بعد فردوسی سلطان سے اپنے تعلقات کی برہمی کا ذکر کرتا ہے ؎

بود بیت شش بار بیور ہزار — سخنہائے شایستہ غمگسار
نہ بیند کسے نامۂ پارسی — نوشتہ بابیات صد بار سی
دگر بار جوید از و بیت بد — ہمانا نہ باشد کم از پنج صد
چنین شہر یارے و بخشندہ — بگیتی ز شاہان درخشندہ

نکرد اندرین داستانہا نگاہ — زبد گوئے وبخت بدآمد گناہ
حسد برد بدگوئے در کار من — تبہ شد بر شاہ بازار من،

پہلے انعام کی کیا تعداد تھی اور کس طرح ملا اور اسکا مصرف

چہار مقالہ کی روایت ہے کہ بیس ہزار درہم فردوسی کو پہنچے، اور وہ رنجیدہ ہوکر حمام کو گیا، وہاں اُس نے یہ روپیہ فقاعی اور حمامی کو تقسیم کیا (پہونچے) یہاں اس لفظ سے دو مفہوم ہوسکتے ہیں یا تو وہیں اُسیوقت فردوسی کو دیئے گئے یا اس کی فرودگاہ پر بھیجے گئے، حمام میں اس کا بعد وصول انعام جانا ثابت ہوتا ہے۔

بعض نے یہ لکھا ہے کہ ساٹھ ہزار روپیہ دئیے یہ رقم حمام میں پہونچی فردوسی نے یہ روپیہ فقاعی، حمامی اور انعام لانیوالے کو تقسیم کردیا۔

آتشکدہٗ آذر میں ہے کہ ایاز ساٹھ ہزار روپیہ لیکر گیا۔ فردوسی حمام میں تھا وہ دیکھکر ملول ہوا اس نے بیس ہزار ایاز کو دیا اور بیس بیس ہزار فقاعی (شراب فروش) اور حمامی کو دیدیا۔

دولت شاہ نے لکھا ہے کہ جس وقت شاہنامہ پیش ہوا اسیوقت ساٹھ ہزار درہم دئے گئے۔ فردوسی نے لئے اور بازار کو گیا پھر حمام میں گیا

خواجہ فریدالدین عطارؒ لکھتے ہیں کہ فردوسی کو پیلبار انعام دیا گیا تھا۔ (پیلبار یا پیلوار یعنی اسقدر روپیہ جس کا بار ہاتھی اُٹھا سکے) چنانچہ لکھتے ہیں

اگر محمود اخبار عجم را — بداد آن فیل و لشکر آن درم
اگر تو شعر آری فیل وارے — نیابی یکدرم در روزگارے (الٰہی نامہ)

یہ پیلبار انعام محمود کا ایسا مشہور ہوا کہ انعام کے لئے پیل محمود شعرا میں اصطلاح قرار پاگئی۔ خواجہ نظامی لکھتے ہیں ؎

زر پیلبار از تو مقصود نیست　　که پیل تو چون پیل محمود نیست

میر معزی نے لکھا ہے ؎

زبہر نام اگر شاہ را ولی محمود　　بہ پیلوار شاعر ہمی شبانی داد

فردوسی کا فرار

فردوسی غزنین سے بھاگ کر طوس گیا وہاں سے طبرستان گیا (چہار مقالہ)
فردوسی غزنین سے بھاگ کر سمدار (قہستان) گیا (تذکرہ دولت شاہ)
فردوسی غزنین سے بھاگ کر ہندوستان آیا اور دہلی میں رہا (ریاض الشعرا)
فردوسی خراسان گیا (دیباچہ قدیم) فردوسی مکہ معظمہ گیا (مجمع الفصحا)

فردوسی غزنین سے قہستان گیا اور اس ملک کے دارالحکومت قیض میں ایک بڈھے کا مہمان ہوا، بڈھے نے اس کو ناصر الملک الملقب محتشم کے حضور میں پہونچا دیا ناصر لک نے فردوسی سے کہا۔ یہاں تمہارا ٹھیرنا مناسب نہیں اگر محمود کو خبر ہو گئی اور اس نے تمکو مجھ سے طلب کیا تو میری مجال نہیں کہ انکار کر سکوں۔ فردوسی وہاں سے ماژندران گیا اور قابوس والی ماژندران سے کہا یہ کتاب تیرے نام پر معنون کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا میری یہ مجال نہیں میں فردوسی کا ماتحت ہوں یہاں فردوسی نے شاہنامہ پہ نظر ثانی کی

زغزنین چو فردوسی آمد بروں　　ازانجا بماژندران شد دروں
بگسترد آن جا بساط سخن　　وزو شد حکایت بہر انجمن

باصلاح شہ نامہ کرد اوبسیج | حشو اندرون نامہ نگذاشت ہیچ
دران یوم و برچون توقف نمود | لیش نامہ درو ایش راستود
بہ نظمیکہ بر نثر مسند نہاد | بہ شعرے کہ شعرے بپایش فتاد
ستائش چنان کرد آن شاہ را | کہ در تیرہ شب گم کران ماہ را

تانوس نے فردوسی کو ایک جواہرات کا ہار اور سوا لاکھ درہم دئے اور کہا یہاں آپ کا قیام مناسب نہیں اس لئے فردوسی بغداد کو چلا گیا ۵

چو فردوسی آن جود و اشفاق دید | گزیدہ سخنہائے والی شنید
پذیرفت و براوج خاطر نگاشت | ہمہ ہوش را بر عزیمت گماشت
گرفت آن عطائے لبس شاد شد | از انجا بگہ سوئے بغداد شد

بغداد میں فردوسی کو غزنین کا ایک سوداگر ملا اس نے کہا تیرے مخالف حسن میمندی کو بادشاہ نے نکال دیا فردوسی یہ سنکر بہت خوش ہوا اور ہجو لکھنے پر پشیمان ہوا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجو لکھنے کا سبب انعام کی بدعدہ خلافی نہ تھی بلکہ درباریوں کی سازش تھی۔ فردوسی نے ایک قصیدہ عربی میں وزیر اعظم بغداد کی مدح میں لکھا۔ وزیر نے انعام دیا۔ فردوسی نے سوداگر سے مشورہ کیا کہ شاہنامہ کو خلیفہ کے حضور میں پیش کیا جائے یا نہیں سوداگر نے کہا یہ مناسب نہیں اس میں کفار کی بیجا مدح ہے، مبادا خلیفہ ناراض ہو جائے، بغداد کی مدح لکھکر خلیفہ کے حضور میں پیش کرنی چاہئے، فردوسی نے ایکہزار اشعار بغداد کی مدح میں لکھکر خلیفہ کے حضور میں پیش کئے خلیفہ نے فردوسی کو بہت

جواہرات دئے فردوسی نے پھر اپنا واقعہ بیان کیا خلیفہ نے کہا تم بیخوف وبخطر یہاں رہو۔ محمود کو خبر ہونچی۔ کہ فردوسی بغداد میں ہے اور شاہنامہ کا واقعہ وہاں مشہور ہے اور لوگ محبکو نفرین کرتے ہیں محمود نے ایک خط خلیفہ کو لکھا کہ میں نے سنا ہے دربار بغداد میں مجھ پر نفرین کیجاتی ہے۔ میں خادم اسلام ہوں آیندہ ایسا نہونا چاہئیے ورنہ مجکو اپنی فوج اور پیلان کوہ پیکر کا رخ بغداد کی طرف کرنا پڑے گا خلیفہ نے اس کے جواب میں فقط اسقدر لکھا۔ (الم ۔ والسلام) محمود اس جواب کو دیکھکر متحیر ہوا کہ یہ کیا جواب ہے۔ بہت دیر کے بعد سمجھ میں آیا کہ الم سے اشارہ ہے (الم ترکیف فعل ربّک باصحاب الفیل) کیطرف۔ محمود اس جواب سے بہت خوش ہوا اور خلیفہ کو گرانقدر نذرانہ بھیجا۔ خلیفہ نے اس نذرانہ کا زیادہ حصّہ فردوسی کو بخشدیا

یہاں یہ امر قابل لحاظ ہے کہ محمود کے ہمعصر تین خلیفہ ہیے، طالع باللہ، قادر باللہ، قایم بامر اللہ یہ سب شاہ شطرنج تھے ان میں اسقدر قوت وحوصلہ کہاں تھا کہ محمود کے مخالف کو پناہ دیتے۔

بغداد میں فردوسی نے یوسف زلیخا تصنیف کرکے خلیفہ کے حضور میں پیش کی خلیفہ نے حکم دیا کہ اس کی نقلیں ممالک محروسہ میں بھیجی جائیں اور ہر امیر اس کی نقل اپنے پاس رکھے فردوسی اب امن امان سے خوش رہتا تھا

چو در ظلّ والی ورا جائے شد ۔۔۔ چو طوطی لب شکر شکر خائے شد
بر آسودہ در ظلّ امن وامان ۔۔۔ زبیداد سلطان و جور زمان

یہاں سے فردوسی طوس کو چلا گیا۔

شاہنامہ سلطان کے دربار میں مکمل ہو کر پیش ہوا یا نہیں

چہار مقالہ کی روایت سے ثابت ہے کہ سات جلدوں میں نقل ہو کر پیش ہوا۔ چند محققین کے اقوال نقل کئے گئے ہیں جن سے ثابت ہے کہ فردوسی کے بعد اسدی نے شاہنامہ مکمل کیا۔ اس لئے دربار سلطانی میں مکمل پیش ہونا صحیح نہیں ہو سکتا فردوسی کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ جس قدر بھی فردوسی نے لکھا تھا وہ کل سلطان کے حضور میں پیش نہیں ہو سکا ؎

نکرد اندرین داستانہا نگاہ ز بدگوی و بخت بد آمد گناہ

یہ ثابت ہو چکا ہے کہ شاہنامہ فردوسی نے (۳۵) سال میں تیار کیا۔ سلطان نے (۳۱) سال حکومت کی اس لئے کسی طرح اس کا مکمل ہو کر سلطان کے حضور میں پیش ہونا صحیح نہیں ہو سکتا۔ جبکہ اس کا آغاز سلطان کی فرمائش سے بیان کیا جاتا ہے۔

شاہنامہ کا انتساب

فردوسی نے شاہنامہ کو احمد بن محمد بن ابی بکر الاصفہانی رئیس خان النجان (ایک ناحیہ ہے اصفہان کے قریب) کے نام پر معنون کیا ہے ؎

اگر سال نیز آزردت امداست بہم سال و ہشتاد یا سی صد است

چو در خان النجان فرود آمدم بہر چہ بگوئی نیاز آمدم

مرا سوے خان خودش راہ داد چو با من بدیدہ بخرگاہ داد

خداوند این دفتر بندہ کرد لب ہر مرادم پر از خندہ کرد

گرانمایہ احمد کہ ہم سال او بجویید بہر جائے از آل او

زبا باش جوئے تونام درست   ابو بکر آخر محمد نخست
(فہرست چارلس ریو مخطوطات فارسی جلد دوم صفحہ ۵۳۴)

ایک جگہ فردوسی لکھتا ہے ؎

جہاں تا بود شہریاراں بود   پیامم بر تاجداران بود
کہ فردوسی طوسی پاک جفت   نہ این نامہ برنام محمود گفت
بنام نبی و علی گفتہ ام   گہر ہائے معنی بسے سفتہ ام

یہاں نبی و علی کے نام پر معنون کرتا ہے ضمنی و علی کے نام پر کوئی صاحب عقل اس کو قبول نکریگا۔ شاہنامہ ایسا کون سا ثواب کا کام یا دینی خدمت تھی جو ان مکرم و معظم ہستیوں کے نام نامی پر معنون کیجاتی۔ نبی و علی تو اسے کیا پسند فرماتے اس کو تو کسی نے بھی قبول نہیں کیا۔ روایت لکھی جاچکی ہے کہ خواجہ ابوالقاسم نے اسوجہ سے نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ اسپہبد شہریار سے اس کے نام پر معنون کرنے کو کہا اس نے انکار کر دیا۔ اور کسی قیمت کی قابل بھی نہ سمجھا یہ کہا (اندک چیزے ترا دہم) شاہنامہ کے جواب میں اسی زمانہ میں عمر نامہ تصنیف ہوا تھا۔ اسی تصنیف پر تو آشوب تورانی فردوسی سے برہم ہے اور کہتا ہے ؎

کہن موبد وجہ نان مجوس   بہر دخمہ نوجہ خوان مجوس
دلش گبر وجان گبر و گبری زبان   ز گبران بگیری زبان قصہ خوان
نویسندہ داستان مغان   بزرگی دہ خاندان مغان،

خواجہ سعدی شیرازی کا بھی اظہار ناراضی اس طرح مشہور ہے ؎

۴ ان شعروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاعر فاتر العقل بھی تھا، کفار کی بیجا مدح معنون کرتا ہے

اگرچہ چاہ نصرانی نہ پاک است | جہود مردہ می شوئی چہ باک است

آشوب اسی شعر کی طرف اشارہ کرتا ہوا فردوسی کو مخاطب کرتا ہے ؎

ازین پیشتر سعدی بے بدل | بجی تو گوبا سر و داین مثل
اگر چاہ نصرانیان نیست پاک | بشوئی اگر مردہ گیری چہ باک

دوسروں کا تو جو خیال تھا تھا ہی۔ فردوسی نے خود بھی اس کام کو گناہ شمار کیا ہے۔ ریاض الشعرا میں ہے

"حکیم مذکور (فردوسی) بعد از گفتن شاہنامہ و رفتن از غزنین یکبارہ آن یوسف زلیخا در ہمان بحر گفتہ است"

فردوسی کا خود اقرار یہ ہے ؎

بسے رنج بردم بسے گفتہ خواندم | ز گفتار شاہان و از پہلوانی
بچندیں ہنر شصت و دو سال بودم | کہ توشہ برم زاشکار و نہانی
بجز حسرت و جز وبال گناہان | ندارم کنون از جوانی نشانی
بیاد جوانی کنون مویہ دارم | دریغا جوانی، دریغا جوانی

اور اپنی یوسف زلیخا میں کہتا ہے ؎

ازان تخم کشتن پشیمان شدم | زبان را و دل را گرہ بر زدم
نگویم کنون نامہائے دروغ | سخن را ز گفتار ندہم فروغ
کنون گر مرا روز چندے بقاست | دگر نسپرم جز ہمہ راہ راست
نگویم دگر داستان ملوک | دلم سیر شد زداستان ملوک
ز پیغمبران گفتہ باید سخن | کہ جز راستی شان نبد ہیچ وبن

یہ شاعر ایسا نادان تھا کہ طومار دروغ کو نبی و علی کے نام پر معنون کرتا تھا اگر یہ کہا جائے کہ وہ اس وقت ایسا نہ سمجھتا تھا تو جو جھوٹ بولنے والا جھوٹ بولتے وقت یہ نہ سمجھے کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں ایسے کو فاتر العقل سے بھی اوپر کوئی مرتبہ دیا جائیگا۔

یوسف زلیخا کا فردوسی کی تصنیف سے بیان کرنا بھی صحیح نہیں سنہ ۹۰۰ھ یعنی فردوسی کے عہد سے پانچ صدی بعد اس کا نام آتا ہے، پانسو برس تک کوئی یوسف و زلیخا فردوسی کا ذکر نہیں کرتا۔ اس کے علاوہ یوسف زلیخا کی نظم نہایت سُست ہے اور اس میں فردوسی کی زبان و استعمال کے خلاف محاورے ہیں مثلاً یوسف زلیخا میں ہے ؎

بدیں سان خرید و فروش اُفتاد　　ستد یوسف آن درمہا بداد

فردوسی خرید و فروش نہیں لکھتا۔ خرید و فروخت لکھتا ہے

پر از خورد و داد و خرید و فروخت　　تو گفتی زما چشم ایشان بدوخت

(شاہنامہ)

یوسف زلیخا میں عماری تشدید ہے ؎

کہ از مہد و عمّاری زرنگار　　شود خیرہ چشم و دلِ روزگار

فردوسی تشدید نہیں لاتا ؎

عماری بماہ نو آراستہ　　پس پشت او اندروں ساختہ

(شاہنامہ)

اسی طرح ایک دو نہیں۔ یوسف زلیخا میں بکثرت ایسے الفاظ و محاورات ہیں

جو فردوسی کی زبان کے خلاف ہیں۔

شاہنامہ کے سرپرست

سابقہ بیانات میں ذکر ہو چکا ہے کہ بو دلف، تعلے ولم منصور گورنر طوس ارسلان خان گورنر طوس۔ حی قتیبہ گورنر طوس، یہ شاہنامہ کے سرپرست تھے سلطان محمود کا بھی نام لیا گیا ہے ؎

مرا نظم شہنامہ فرمود شاہ — دراں دم کہ بنشست شاداں بگاہ

سلطان محمود اور شاہنامہ کی فرمائش

سب سے پہلا راوی صاحب چہار مقالہ تو بیان کرتا نہیں کہ سلطان نے شاہنامہ لکھنے کی فرمائش کی وہ تو صاف لکھتا ہے کہ سات جلدوں میں شاہنامہ لکھکر لیگئے۔ براؤن مشہور مستشرق نے اسی وجہ سے ادبیات عجم میں یہ لکھا ہے کہ شاہنامہ کا سکینڈ ایڈیشن محمود کے دربار میں پیش ہوا، اگر اس تحقیقات کو صحیح مانا جائے تو فرمائش کا جھگڑا ہی رفع ہو جاتا ہے۔ دوسرے تذکرہ نویسوں اور مورخوں نے طرح طرح کی رنگ آمیزی اس قصہ میں کی ہے اور کوئی اپنا ماخذ نہیں بتاتا۔ اس فرمائش کو بھی مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے، گذشتہ بیانات سے تمام اختلاف ظاہر ہو جاتے ہیں۔ فردوسی کے سر یہ بیان مڑھا گیا ہے ؎

مرا نظم شہنامہ فرمود شاہ — درآندم کہ بنشست شادان بگاہ

کہ بخشد زہر بیت زر یکدرم — ہر آنچہ آرم نظم از بیش وکم

اس بیان کی غلطی تاریخی حساب سے ثابت ہوتی ہے جو ہم نے شاہنامہ کے

سال آغاز میں لکھا ہے کہ مختلف بیانات وحساب سے ۳۶۱ھ سے ۳۸۴ھ تک پچیس سال آغاز شاہنامہ کے ثابت ہوتے ہیں۔ ان میں سب سے بڑا عدد ۳۸۴ھ ہے۔ اس کے بعد کوئی سن کسی حساب سے آغاز تصنیف شاہنامہ کا ثابت نہیں ہوتا اور سلطان محمود تخت نشین ہوا ۳۸۷ھ میں لہذا یہ تمام روایتیں سرتاپا غلط ہیں۔

وعدۂ انعام

جب سلطان کا شاہنامہ کی فرمائش کرنا ہی ثابت نہیں تو وعدۂ انعام کہاں؟ اس قصہ کا راوی اوّل صاحب چہار مقالہ کہتا ہے کہ سات جلدوں شاہنامہ لکھکر لیگئے۔ اور دربار سلطانی میں رسائی کی تدبیر کی جب باریاب ہوئے تو سلطان نے مصاحبوں سے دریافت کیا کہ فردوسی کو کیا دیا جائے اگر وعدہ ہوچکا ہوتا تو یہ دریافت نکیا جاتا اور اگر دریافت کیا جاتا تو فردوسی کا محسن شاہنامہ کا پیش کرنیوالا حسن میمندی صاف کہتا کہ آپ کا وعدہ فی شعر ایک اشرفی کا ہے۔

اسی روایت میں ہے کہ فردوسی والی طبرستان کے پاس گیا اس سے سب کچھ کہا مگر وعدہ انعام کا ذکر نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وعدہ تھا ہی نہیں۔

سلطان کی ہندوستان والی حکایت جس میں وزیر نے یہ شعر پڑھا (اگر جز بکام من آید جواب) میں سلطان نے حسن میمندی سے کہا کہ غزنین پہنچکر یاد دلانا اسکو کچھ بھیجدیا جائیگا۔ اگر انعام کا وعدہ ہوتا تو سلطان یوں نہ کہتا کہ

کچھ بھیج دیا جائے گا بلکہ یوں کہتا کہ اس کا انعام بھیج دیا جائیگا۔ اور اگر سلطان اس طرح کہتا تو حسن میمندی فوراً کہتا کہ حسب وعدہ انعام بھیجنا چاہئیے لیکن وعدہ کا تو کہیں نام نہیں آتا۔

دولت شاہ لکھتا ہے۔

"اورا (فردوسی) طمع آن بود کہ سلطان در حق او احسان بزرگ بجائے آورد مثل ندیمی مجلس خاص و اقطاع چون خاطر سلطان بدو گراں شدہ صلہ کتاب شاہنامہ شصت ہزار درم نقرہ انعام فرمود کہ بیتے را ہزار درم نقرہ باشد فردوسی بغایت این انعام را در حق خود حقیر دانست اما پسند و ببازار شد و حمام در آمد"

اگر وعدہ ہوتا تو فردوسی ایفاء وعدہ ہی کی امید کرتا یہ عہدو نکی امید خود ظاہر کرتی ہے کہ کوئی وعدہ نہ تھا۔ فردوسی کے ایک شعر سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ عہدے کا طالب تھا ؎

بہ نیکی نہ بد شاہ را دستگاہ | وگرنہ مرا برنشاندے بگاہ

دیباچہ قدیم میں ہے کہ فردوسی بھاگ کر سلطان کے بھائی امیر نصر ابن ناصر الدین والی سجستان و سپہ سالار کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ سلطان نے میری کتاب پر غور نہیں کیا اور سب کچھ کہا مگر وعدہ کا ذکر نہیں کیا اگر وعدہ ہوتا تو ذکر ضرور کرتا ؎

چنیں شہریارے و بخشندہ | بگیتی ز شاہان درخشندہ
نکرد اندریں داستانہا نگاہ | ز بدگوئے و بخت بد آمد گناہ

حسد برد بدگوے در کار من | تبہ شد بر شاہ بازار من

آگے اس سے درخواست کرتا ہے کہ بادشاہ سے سفارش کر دے ؎

چو سالار شہ این سخنہائے نغز | بخواند بہ بیند بہ پاکیزہ مغز
ز گنجش من اید وشوم شادمان | کزو دور بادا بد بدگمان
وزاں پس کند یاد بر شہر یار | مگر تخم رنج من آید بیار
کہ جاوید باد افسر و تخت او | ز خورشید تابندہ تر بخت او

فردوسی آسمان سے اپنی تباہی کی شکایت کرتا ہے اور اپنی مصیبتوں کو گنتا ہے مگر اس وعدہ انعام کا ذکر نہیں کرتا ؎

الا اے بر آوردہ چرخ بلند | چہ داری بہ پیری مرا مستمند
چو بودم جوان برترم داشتی | بہ پیری مرا خوار بگذاشتی
بکردار ما دربدی تا کنوں | ہمی ریخت باید بر نج تو خوں
وفا و خرد نیست نزدیک تو | پر از رنجم از روئے تاریک تو
مرا کاش ہرگز نہ پروردۂ | چو پروردہ بودی نیازردئی
ہر انگہ کزیں تیرگی بگذرم | بگویم جفائے تو یاد آورم
بنالم ز تو پیش یزداں پاک | خروشاں بسر بر پراگندہ خاک
چنیں داد پاسخ سپہر بلند | کہ اے مرد گوئندہ بے گزند

(الخ)

غرض وعدہ انعام کا کہیں ذکر نہیں۔

آخری انعام کی روانگی

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ فردوسی کے بھاگنے سے کچھ دنوں کے بعد محمود نے خود نادم ہو کر باقی انعام بھیجدیا جو اس کے مرنیکے بعد پہونچا۔

بعض نے لکھا ہے کہ ہندوستان سے غزنین کو سلطان آرہا تھا۔ ایک باغی کا قلعہ راستہ میں تھا۔ اسکو طلب کیا۔ اس قصہ میں حسن میمندی نے یہ شعر پڑھا (اگر جز بکام من آید جواب) سلطان نے فرمایا غزنین پہونچکر یاد دلانا فردوسی کو کچھ بھیجدیا جائیگا۔ غرضکہ آکر انعام روانہ کیا۔

بعض نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ غزنین ہی کا ہے ایک باغی کو خط لکھنا تھا سلطان نے سوچا کیا لکھا جائے درباریوں نے کہا، فردوسی کا یہ شعر کافی ہے (اگر جز بکام من آید جواب) اس پر سلطان نے فردوسی کو انعام روانہ کیا۔

صاحب حیات فردوسی نے لکھا ہے کہ جب یہ شعر سُنا آہ سرد کھینچی اور کہا

سہ نہ سال رنج و مشقت کشید | کہ تا نظم شہنامہ در ہم کشید
پسے غوص در بحر خاطر نمود | در فکر زاندیشہ بر دل کشود
دران راہ چندان تگا در براند | کہ کافور بر مشک عارض نماند

اور حکم دیا کہ ساٹھ ہزار اشرفیاں بھیجدی جائیں اور فردوسی کو معذرت نامہ بدست خود لکھا یہ خط خزانہ سے پہلے پہونچا۔ فردوسی بہت مسرور ہوا اس کے بعد وہ جنگل میں لڑکے کی زبان سے وہ شعر سنکر بیہوش ہو کر مر گیا۔ خزانہ بعد میں پہونچا۔ یہ مال اس کی بہن کو دیدیا گیا۔ اس نے سرائے تعمیر کرادی اس روایت کے درمیانی حصہ کو اس تغیر سے بھی بیان کیا گیا ہے، کہ

ناصر لک نے فردوسی کو ایک لاکھ روپیہ دیا اور کہا کہ یہ سو شعر ہجو کے ہیں تنے ؟ شعر ہزار کے حساب سے خریدے فردوسی نے وہ ہجو اس کے پاس بھیجدی اُس نے اسکو تلف کردیا اور ناصر لک کو اشعار ذیل لکھکر روانہ کئے ؎

بغزنیں مرا گرچہ خون شد جگر — زبیدادآن شاہ بیدادگر
کزان ہیچ شد رنج سی سالہ ام — شنید آسمان از زمین نالہ ام
ہمی خواستم تا فغانہا کنم — بگیتی ازان داستانہا کنم
بگویم زمادرش وہم از پدرش — نترسم بجز از خداوند عرش
کنمش آن چنان روسیاہ از تخت — کہ نتواند آن را ہیچ آب شست
چو دشمن ہمی داند از دوست باز — بہ تیغ زبانش کنم پوست باز
ولیکن بفرمودۂ محتشم — نغانم کزین بیش سرخون کنم
فرستادم از گفتۂ داشتم — بنزدیک خود ہیچ نہ گذاشتم
اگر باشد این گفتہا ناصواب — بسوزان بآتش بشویان بآب
گزشتم ایا سرور نیک رائے — ازین داوری تا بدیگر سرائے
رسد لطف یزدان بفریاد من — ستاند بحشر از و داد من،

ان اشعار کو ناصر لک نے اپنے عریضہ کے ساتھ سلطان کی خدمت میں بھیجدیا اور فردوسی کی سفارش کی۔جب یہ خطا و اشعار پہونچے اسی وقت اتفاق سے سلطان مسجد میں گیا وہاں دیوار پر یہ اشعار نظر آئے جو چلتے وقت فردوسی لکھ گیا تھا ؎

خجستہ حضرت محمود ز اول آن دریاست — چگونہ دریا کہ اورا کرانہ پیدا نیست

چو غوطہ ہا زدم واندروں ندیدم دُر — گناہ بخت من ست این گناہ دریا نیست

ان اشعار کو دیکھکر محمود بجید متاثر ہوا اور فردوسی کے تمام مخالفوں کو دربار سے نکال دیا حسن میمندی پہلے ہی سے نکالا جاچکا تھا اور سلطان نے یہ اشعار کہے ؎

چو فردوسی آن مرد والا گہر — غمین شد ز میمندی بے ہنر

اذیت لیسے زان فرومایہ دید — وز وبے سبب رنج وحرمان کشید

طبیعت مکافات آغاز کرد — سرش با دم تیغ انباز کرد

اس بیان میں جو اشعار فردوسی نے ناصر لک کو بھیجا اور ناصر لک نے سلطان کو بھیجا لکھے ہیں۔ یہ اشعار کسی طرح ہجو سے کم نہیں کیا ایسے اشعار کوئی محکوم حاکم کے پاس بھیج سکتا ہے اور جس شخص نے بادشاہ کی ہجو لکھی ہو جس کی گرفتاری کے لئے بادشاہ نے پچاس ہزار کا اشتہار دیا ہو کیا کوئی ماتحت صوبہ اس کی سفارش کی جرأت کر سکتا ہے کیا ایسے غلط اشعار جواب تک حسن میمندی اور محمود اور فردوسی کے نام سے نقل کئے گئے ہیں ان مشاہیر کے ہو سکتے ہیں میرے خیال میں کوئی اہل علم وعقل ایسی باتوں کو قبول نہیں کر سکتا۔ ان تمام اشعار پر بخوف طوالت اعتراضات نہیں لکھے ورنہ ان میں ایک شعر بھی صحیح نہیں قرار پا سکتا۔ ان اشعار سے اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ فردوسی نے غزنین سے بھاگتے وقت جو نظم لکھی تھی جسکو ہجو کہا جاتا ہے وہ ہجو نہ تھی کوئی شکایتی نظم ہوگی ورنہ وہ ان اشعار میں یہ نہ کہتا ؎ (اگر باشد این گفتہ ہا ناصواب) کیونکہ موجودہ ہجو تو سراسر ناصواب ہے۔ وہ کوئی

ایسی نظم تھی جس کو ناصواب کہنا مشکل تھا - پھر اس نظم میں لکھا ہے
کہ گوئیم زمادرش و ہم از پدرش) تو گویا اس نظم میں ماں باپ کا ذکر تھا
موجودہ ہجو میں ہے لہذا یہ وہ نظم نہیں۔
اگر فردوسی ہجو لکھتا تو چلتے وقت مسجد پر وہ نظم نہ لکھتا
(خجستہ حضرت محمود زاول آن دریاست) کیونکہ وہ سراسر مدحیہ ہے۔
اس قصہ میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ فردوسی نے اوّل ایاز سے بھاگنے کے
متعلق مشورہ کیا، ایاز نے اس کو زادراہ دیا فردوسی نے ایاز کو ایک لفافہ دیا
اور کہا کہ میرے جانے سے بیس دن کے بعد سلطان کو دینا، ایاز نے ایساہی
کیا۔ سلطان نے جب اس کو پڑھا تو ہجو تھی۔ بادشاہ حسن میمندی پر ناراض
ہوا کہ اس کمبخت نے مجھے بُرا مشورہ دیا تھا" اس میں دو باتیں غور طلب
ہیں۔ کیا ایاز ایسا احمق تھا کہ ایک بھاگنے والے کے خط کو بغیر دیکھے لیکر
بادشاہ کو دیتا اگر دیتا تو کیا سلامت رہجاتا، یہاں تو کہا گیا ہے کہ ایاز
نے فردوسی کو زادراہ دیا دوسری روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ساٹھ ہزار
روپیہ جو اوّل انعام کا ملا تھا۔ اس میں سے فردوسی نے بیس ہزار ایاز کو
دیا۔ دیباچہ قدیم میں ہے کہ فردوسی دو تین اشعار ہجو کے لکھکر ایاز کو دیگیا
تھا۔ ایاز نے وہ لفافہ عرصہ کے بعد سلطان کو دیا۔ بعض نے لکھا ہے کہ
کتابدار سے کتاب شاہنامہ جو بادشاہ کے پاس رہتا تھا کسی بہانہ سے لیکر
اس پر ہجو لکھدی۔

انعام کس نے وصول کیا

چہار مقالہ کا بیان ہے کہ فردوسی کی لڑکی نے انعام لینے سے انکار کیا، لہذا خواجہ اسحاق کو دیدیا گیا۔ دولت شاہ نے لکھا ہے کہ فردوسی کی بہن تھی، اس نے انعام لینے سے انکار کیا۔ اور وہ مال خواجہ کے سپرد کیا گیا۔

صاحب حیات فردوسی و تاریخ اسلام عباسی نے لکھا ہے کہ فردوسی کی بہن نے انعام لے لیا۔

انعام کا مصرف

چہار مقالہ کا بیان ہے کہ بدر انعام سے خواجہ ابوبکر اسحاق کرامی نے طوس کے قریب مرو و نیشاپور کے راستے پر سرائے اور کنواں تعمیر کرایا۔

صاحب حیات فردوسی نے لکھا ہے فردوسی کی بہن نے انعام لیکر سرائے تعمیر کرادی۔ تاریخ اسلام عباسی میں ہے کہ اس روپیہ سے فردوسی کا مقبرہ بنوایا گیا۔ یہ نہیں لکھا کس نے بنوایا۔

ہجو گوئی

ایشیائی شعرا ہجو گوئی میں مشاق اور اس کے مشتاق ہوتے ہیں مرزا سودا کا قول ہے جو ہجو نہیں کہتا وہ آدھا شاعر ہے مرزا کا ایک اور واقعہ مذکور ہے کہ ایک شخص نے ان سے درخواست کی کہ مجکو شاعری سکھادو۔ مرزا نے کہا ہجو لکھو اس نے کہا میں کس کی ہجو لکھوں مرزا نے کہا کہ تو میری ہجو لکھ میں تیری لکھوں۔

شاعر آج جسکی ہجو لکھتا ہے کل اس سے کچھ فائدہ ہونے پر اس کی مدح میں

زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتا ہے۔ آج جس کی مدح لکھتا ہے کل اُس سے ذرا بیجا رنج پہونچنے پر اس کی مذمت میں وہ خاک اُڑاتا ہے کہ توبہ توبہ۔

فردوسی خود کہتا ہے ؎

کہ شاعر چو رنجد بگوید ہجا | بماند ہجا تا قیامت بجا

اس لئے کسی شاعر کی ہجو کو دیکھکر کسی معتمد آدمی کے اخلاق و عادات پر حملہ کرنا دانشمندی سے بعید ہے۔

شاعروں کی مدح و ذم پر تاریخی مسایل طے نہیں ہو سکتے۔ ذوق غالب بے کس و بے بس ظفر بہادر شاہ کو شہنشاہ ہفت کشور سکندر بخت دارا حشم بتاتے ہیں۔ اس جماعت کا تو وہ مسلک ہے ع

جس کا کھاتے ہیں اس کا گاتے ہیں

فردوسی کے واقعات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ بڑا ہجو گو تھا اُس نے اپنے کئی محسنوں کی ہجو لکھی ہے۔ دقیقی مر چکا تھا اس سے اس کا کوئی واسطہ بھی نہ پڑا تھا۔ اس نے ایکہزار اشعار دقیقی کے اظہار ممنونیت کرکے شاہنامہ میں شامل بھی کئے اِس پر اُس کو اس طرح یاد کرتا ہے ؎

من این زان نوشتم کہ تا شہریار | بداند سخن گفتن نابکار

اس شعر سے ثابت ہے کہ یہ شاعر احسان فراموش حق پوش ناحق کوش تھا، دقیقی کا کلام کسی طرح اس کے کلام سے کم نہیں۔ وہ بھی عربی الفاظ استعمال نہیں کرتا۔ نمونہ کلام دقیقی ؎

نیایش ہمی کرد خورشید را | چنان بردہ بد راہ جمشید را

چو گشتاسپ بر شد بہ تخت پدر | کہ فردید داشت تخت پدر
بسر بر نہاد آن پدر دادہ تاج | کہ زیبندہ باشد بر آزادہ تاج
منم گفت یزدان پرستندہ شاہ | مرا ایزد پاک داد این کلاہ
بدان داد مارا کلاہ بزرگ | کہ بیرون کنم از رمہ میش گرگ

عنصری کا نوکر رہا۔ اس کا نمک کھایا اس نے دربار شاہی میں پہونچایا اسکو لکھتا ہے ؎

چہ سنجد بمیزان من عنصری | گیا چوں کشد پیش گلبن سری

یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہجو گوئی میں یہ فحش پر اتر آتا ہے ؎

مبا شد جز از بے پدر دشمنش | کہ یزداں بآتش بسوزد تنش
بدل ہر کہ بغض علی کرد جائے | ز مادر بود عیب آن تیرہ رائے
کہ ناپاک زادہ بود خصم شاہ | اگرچند باشد بایوان گاہ

ایک فحش نویس محسن کش کی ہجو پر قرون وسطیٰ کے فاتح اعظم قدردان قدرشناس ہنر و اہل ہنر کو بدنام کیا جاتا ہے ؎

بریں عقل و دانش بباید گریست

ہجو کی قیمت اور خریدار

شہریار نے ایک لاکھ درہم دے کر ہجو خریدی۔ شہریار نے (۱۲۰) مثقال سونا دے کر ہجو خریدی۔ ناصر الملک نے ایکہزار مثقال چاندی دے کر ہجو خریدی۔ ناصر لک نے ایک لاکھ روپیہ دے کر ہجو خریدی۔

یہ چار اقوال ہیں۔

فردوسی نے ہجو نہیں لکھی

یہ بیان کیا گیا ہے کہ فردوسی نے تین شعر ہجو کے لکھکر لفافہ میں بند کرکے ایاز کو دئے اور چلتے وقت مسجد پر یہ اشعار لکھ گیا ؎

خجستہ حضرت محمود زاول آن دریاست چگونہ دریا کہ اورا کرانہ پیدا نیست

کوئی اہل عقل اس کو باور کریگا کہ وہاں تو ہجو لکھکر بھیجی یہاں مدح لکھ گیا۔

یہ روایت بھی نقل کیجا چکی ہے کہ فردوسی محمود کے بھائی کے پاس گیا اور اس سے انعام اور دربار شاہی میں سفارش چاہی۔ کیا ہجو لکھنے کے بعد اسکو یہ جرات ہوسکتی تھی۔

سب سے پہلے جو نسخہ شاہنامہ کا مرتب ہوا ہے اس کو اسد خان آشوکی نے اسپین میں مرتب کیا اس میں ہجو نہ تھی۔ اگر فردوسی نے ہجو لکھی ہوتی تو اس میں ضرور ہوتی۔

موجودہ ہجو فردوسی کی تصنیف نہیں

اس روایت کا دار مدار چہار مقالہ پر ہے صاحب چہار مقالہ لکھتا ہے کہ وہ ہجو شہریار نے فردوسی سے لیکر تلف کردی۔ فردوسی نے بھی سودہ تلف کردیا یہ چھ شعر باقی رہگئے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ چھ کیونکر رہگئے یہ تلف کیوں نہ ہوئے اور دس کیوں نہ رہگئے۔ بعض نے ناصر لک کا ہجو بیکر تلف کرانا بیان کیا ہے اور جو ہجو فردوسی نے لکھی تھی جسکو ناصر لک نے تلف کرایا وہ کیسی تھی اس کے متعلق خود فردوسی لکھتا ہے (اگر باشد این گفتہا ناصواب) یعنی وہ ایسی نظم تھی کہ اس کو ناصواب کہنا مشکل تھا، گویا وہ ایک شکایتی نظم تھی

اور یہ چھ شعر سراسر نا صواب ہیں لہذا یہ اس کے نہیں ہو سکتے، پھر اسی نظم میں آگے لکھتا ہے (کہ گویم ز آبادرش وہم از پدرش) یعنی میں اس کے ماں باپ کے متعلق لکھتا گویا اس نظم میں ماں باپ کا ذکر نہ تھا۔ لیکن ان چھ شعروں میں ماں باپ کا ذکر ہے (پرستار زادہ نیاید بکار) لہذا یہ اشعار فردوسی کے نہیں ہیں۔

سب سے پہلا راوی صاحب چہار مقالہ چھ شعر لکھتا ہے اور قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین میں (۶۹) نقل کئے ہیں۔ یہ کہاں سے پیدا ہوئے ان میں بعض دیباچہ بایسنغر خانی کے ہیں بعض کسی نسخے میں نہیں نول کشور کے مطبوعہ نسخے میں (۱۰۲) اشعار ہیں۔ دیگر مطابع کے نسخوں میں (۱۰۵ و ۱۲۴) بعض نسخوں میں (۲۰۰) بعض میں اس سے بھی زیادہ، کتب خانہ آصفیہ میں تین نسخے ہیں۔ تینوں میں کم و بیش اشعار ہیں۔ اس ہجو کے اشعار بے قاعدہ اور اسد رجہ سست ہیں اور ان میں ایسی غلطیاں ہیں کہ کسی معمولی شاعر کا کلام بھی نہیں کہا جا سکتا۔ اور فردوسی تو خدائے سخن تھا۔ پہلے فردوسی کا رنگ اور زور کلام اور روانی دیکھئے پھر اس ہجو پر نظر کیجئے۔

کلام فردوسی

پاسخ فریدوں سلم و تور را

چو بشنید شاہ جہاں کد خدائے — پیام دو فرزند ناپاک رائے
بیکایک بمرد گرانمایہ گفت — کہ خورشید را چوں توانی نہفت
نہاں دل آں دو مرد پلید — زخورشید روشن تر آمد پدید
شنیدم ہمہ ہرچہ گفتی سخن — نگہ کن کہ پاسخ چہ یابی ز من

ہجویر نظر

ماہران فن آگاہ ہیں کہ ہجو کی تعریف یہ ہے کہ کسی واقعی امر کو غلط نہ کہیجائے اور جس کی ہجو کیجائے اس کے متعلق کوئی مدحیہ لفظ نہ آئے

بعض نسخوں میں ہجو کی ابتدا اس شعر سے ہے ؎

الا اے خردمند صاحب ہنر　　بگفتار و کردار من درنگر

اس شعر میں بھی اختلاف ہے بعض نے صاحب خبر کی جگہ اہل ہنر اور کردار کی جگہ اشعار لکھا ہے، صاحب اور خبر یہ عربی الفاظ ہیں صنعت لزوم کے خلاف ہیں۔ بعض نسخوں میں ابتدا اس شعر سے ہے ؎

ایا شاہ محمود کشور کشا　　ز کس گو نترسی بترس از خدا

اس شعر میں اختلاف ہے کسی نے ایا کی جگہ ایا کسی نے الا لکھا ہے۔ کسی میں زکس کی جگہ کہ کس ہے، کشور کشا کی جگہ کشور خدا ہے، کشور کشا ہو یا کشور خدا دونوں الفاظ مدحیہ ہیں۔

بعض نسخوں میں ابتدا اس شعر سے ہے ؎

بداں شہریارا کہ این روزگار　　نماند بسے بر کسے یادگار

بعض نے بداں کی جگہ ببین لکھا ہے۔

اس ہجو کے بعض مصرعے شاہنامہ کے متفرق مقامات سے لئے گئے ہیں مثلاً (پدر از صفاہاں بدآہنگری) یہ مصرعہ گیو پر طنز کا ہے۔

بعض مصرعے دوسرے شاعروں کے ہیں مثلاً

(فریدون فرخ فرشتہ نبود) یہ مصرعہ سعدی شیرازی کا ہے۔

کف شاہ محمود عالی تبار نہ اندر نہ آمد سہ اندر چہار

کف، عالی یہ عربی الفاظ ہیں۔ عالی تبار مدحیہ لفظ ہے۔

ندیدی تو ایں خاطر تیز من نیندیشی از طبع خونریز من

بعض نسخوں میں نیندیشی کی جگہ نترسیدی ہے۔ طبع عربی لفظ ہے، طبع کی صفت خون ریز نہیں۔ شمشیر کی صفت خونریز ہے اگر طبع کی جگہ تیغ کہا جائے تو اس کا محل نہیں۔ ایک شاعر دھمکیاں دے رہا ہے نہ کہ سپاہی اگر طبع کی صفت خونریز فرض کیجائے تو وہ کسی معشوق یا سپاہی کی طبع ہو گی نہ کہ شاعر کی

کہیں خطابیہ اشعار ہیں ؎

مرا ہم کردی کہ در پائے پیل تنت را بسایم چو دریائے نیل

بعض نسخوں میں کردی کی جگہ دادی ہے، دریا کا پاؤں کے نیچے پیسنا یا ملنا کسی زبان کا محاورہ نہیں نہ موزوں ہے، خاک کا پاؤں کے نیچے ملنا یا پیسنا کہا جاتا ہے۔

کہیں جمع غایب ہے ؎

مرا غمز کردند کان پرسخن بمہر نبی و علی شد کہن،

شاعر کہنا چاہتا ہے کہ محبت نبی و علی کہا گیا کیونکہ امر واقعہ یہی تھا مگر نہیں کہہ سکا ادائے مطالب پر قادر نہیں کہا تو یہ کہا (بمہر نبی و علی شد کہن) مہر نبی و علی کے مدعی تو سنی بھی ہیں۔ سلطان محمود کا بھی یہی دین و ایمان تھا۔

(غمز کردن ۔ اتہام لگانا) شاعر کہتا ہے کہ مجھے اتہام لگایا گیا۔ کہ اس کو نبی و علی کی محبت ہے۔ گویا درحقیقت اسکو نبی و علی کی محبت نہیں یہ اس کے

سر الزام ہے ؎

من از مہر این ہر دو شہ نگذرم   اگر تیغ شہ بر رود بر سرم

یہ شعر بھی مطلب ادا نہیں کرتا، نبی و علی کی محبت چھوڑنے کو کون کہہ سکتا ہے محمود غزنوی نے یہ کہا گیا (تو قرمطی بودہ) اور قرمطی عقاید سے تائب ہونے کو کہا تھا۔ مہر نبی و علی کا تو ذکر ہی نہ تھا۔ شاعر کیا کہنا چاہتا تھا اور کیا کہہ گیا۔

سنہ ٦.. تک رسول کریم اور بزرگان دین کے لیے لفظ شہ استعمال نہیں ہوتا تھا سنہ ٦.. کے بعد والوں نے یہ لفظ ائمہ دین کیلئے استعمال کیا ہے۔ فردوسی چوتھی صدی کا آدمی ہے، لہذا یہ شعر اس کا نہیں ہو سکتا۔

دونوں مصرعوں میں شہ آیا ہے۔ مصرعہ ثانی میں بر دو دفعہ آیا ہے یہ بھی بڑا عیب ہے

برین بودم و ہم برین بگذرم   ثنا گوئے پیغمبر و حیدرم

مصرعہ اولی کئی طرح منقول ہے (برین بودہ ام ہم برین بگذرم) اور (برین زادم و ہم برین بگذرم)۔ مصرعہ ثانی بھی کئی طرح ہے۔ (یقین دان کہ خاک در حیدرم) اور (یقین داں کہ خاک پئے حیدرم) اور (بپندار خاک در حیدرم) اور (یقین دان کہ خاک در حیدرم)

یہ شعر بھی شاعر کا مطلب پورا نہیں کرتا۔ ثناء پیغمبر و حیدر کا تو سوال ہی نہ تھا

اگر مہر شان من حکایت کنم   چو محمود را صد حمایت کنم

یہ شعر مہمل ہے مصرعہ ثانی کے کچھ معنی نہیں اور مصرعہ اولی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ میں مدت سے سوچتا تھا کہ اس کا کیا مطلب ہے بڑی

امید سے میں نے رسالہ احسن الرسالہ ترجمہ چہار مقالہ کو (جسکو کسی گریجویٹ فاضلوں نے تصنیف کیا ہے) دیکھا تو یہ مطلب لکھا ہے کہ اگر میں حقیقی طور پر نبی و علی کی محبت بیان کروں تو محمود جیسے سو کی مدد کروں"

غور کرنے کا مقام ہے یہ کیا مطلب ہوا۔ دونوں مصرعوں کا کیا تعلق ہوا محبت بیان کرنے اور محمود کی مدد کرنے کا کیا علاقہ، صرف چہار مقالہ اور فردوسی کا نام دیکھکر مرعوب ہو گئے۔ اور نہ کہ سکے کہ مہمل ہے (ز سخن فہمی عالم بالا معلوم شد)۔

بعض ایسے اشعار ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کہنے والا کوئی اور ہے فردوسی نہیں سے

که فردوسی طوسی پاک جفت
نه این نامه بر نام محمود گفت

چو فردوسی اندر زمانه نبود
بدان بد که بخشش بگانه نبود

هر آن کس که در دلش بغض علی است
از و در جهاں خوار تر گو که کیست

اس شعر پر بھی وہی اعتراض ہے جو اس قسم کے پہلے شعروں پر ہے کہ یہ غیر متعلق معاملہ ہیں جو مطلب ہے اُس کو ادا نہیں کرتے،

جہاں تا بود شهر یاراں بود
پیامم بر تاجداران بود

شہر یاراں جمع ہے یہاں جمع کا صیغہ ہونا چاہئے اگر مصرع اولی میں بوند پڑھا جائے تو مصرع ثانی بودند پڑھنے سے غلط ہو جائے گا۔

هر آنکس که شعر مرا کرد پست
نگردش گردوں گردنده دست

دوسرا مصرعہ مہمل ہے پہلے مصرعہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور یہ شعر

بے محل ہے یہ تو کہیں شاعروں کے معرکہ کا ہے شاہنامہ کے متعلق بلندی
و پستی کی بحث ہی نہ تھی ۔ جھگڑا تو قرمطی ہونے کا تھا۔

چو پرویز و ہرمز چو بورش قباد　　چو خسرو کہ پرویز نامش نہاد

شاہنامہ شاہان ایران کی تاریخ ہے فردوسی ماہر تاریخ ایران تھا۔
اس شعر میں عظیم الشان تاریخی غلطی ہے کہ مصرعۂ اولیٰ سے ثابت ہوتا ہے
کہ پرویز کا بیٹا ہرمز تھا حالانکہ ہرمز کا بیٹا پرویز تھا ۔

پے افگندم از نظم کاخ بلند　　کہ از باد و باران نیابد گزند

پے کے معنی واسطے یا پیچھے یا پاؤں کے ہیں ۔ اس شعر میں بنیاد کے معنی
میں استعمال کیا گیا ہے ۔ کاخ کیلئے پے افگندن غلط محاورہ ہے جس کو
کسی استاد نے استعمال نہیں کیا۔

بر بادشہ پیکرم زشت کرد　　فروزندہ اخگر چو انگشت کرد

بعض نسخوں میں پیکرم کی جگہ صورتم ہے انگشت یعنی انگیٹھی، اخگر کے لئے
یہاں زغال یعنی کوئلہ آنا چاہئے تھا ۔ انگشت موزون نہیں ۔

چو گفتار شہ می کنند زر لیئم　　نیاشد ہمیں نام او جز لئیم

لئیم عربی لفظ ہے زر سیم کے معنی سونا چاندی ملانا لیکن شاعر کا مطلب
یہ ہے کہ سونے کے بدلے چاندی ۔ مصرعہ یہ مطلب ادا نہیں کرتا ۔

نکردی تو در نامہ من نگاہ　　کہ روزی نبودت نکوئی ز شاہ

مصرعہ آخر میں شاہ صرف قافیہ کیلئے آیا ہے جو ایک امر معیوب ہے شاعر
کہنا چاہتا ہے کہ اے بادشاہ تیری قسمت میں نیکی نہ تھی ۔ مصرعہ کا مطلب

یہ ہے کہ تیری قسمت میں بادشاہ سے نیکی نہ تھی۔
محمود کو مخاطب کرکے شاہان ایران کے نام گنا کر کہتا ہے۔

ہمہ داد کردند بر زیر دست — نبودند جز پاک یزدان پرست
نکردند جز خوبی و راستی — نگشتند گرد کم و کاستی

یہ بیان واقعیت کے اور تاریخ کے خلاف ہے اس لئے فردوسی مورخ کا بیان نہیں ہوسکتا کیونکہ شاہان ایران میں ضحاک، بہرام ثانی یزدجرد الاثیم بڑے بڑے ظالم گذرے ہیں، کم و کاستی محاورہ نہیں، کم و کاست یا کمی و کاستی ہے فردوسی اس محاورہ کو خود شاہنامہ میں اس طرح استعمال کرتا ہے سہ

ہنر مردمی باشد و راستی — ز کژی بود کمی و کاستی

مرا زین جہاں بے نیازی دہد — میان یلاں سرفرازی دہد

یلان یعنی جوانان پہلوانان یہ لفظ بے محل ہے میدان جنگ یا اکھاڑا نہ تھا۔ فردوسی کوئی سپاہی نہ تھا۔ علمی بزم ہے سخنوران یا علما ہونا چاہئے تھا

درا از جوئے خلدش بہنگام آب — بہ بیخ انگبیں ریزی و شہد ناب

انگبیں اور شہد ایک ہی چیز ہے۔ اس طرح استعمال مترادفات صحیح نہیں (بہ بیخ) لیک حرف (ب) ایک ہی مصرعہ میں دوبار متصل آیا یہ معیوب ہے

ز خسرو نژادے زوالا سرے — پدر از صفاہان بد آہنگرے

بعض نسخوں میں مصرعہ اولیٰ یوں ہے (نہ خسرو نژادے نہ والا سرے) دونوں مصرعوں میں ربط نہیں اگر دوسرا مصرعہ تنہا پڑھا جائے تو سامع

فیصلہ نہیں کرسکتا کہ شاعر اپنے باپ کو کہتا ہے یا دوسرے کے،

بسے رنج کردم درین سال سی   عجم گرم کردم بدین پارسی

بعض نسخوں میں عجم گرم کی جگہ عجم زندہ کردم ہے۔ عجم عربی لفظ ہے۔ مصرعہ اولی میں سال کے نیچے کسرہ پڑھا جائیگا جب مصرعہ صحیح ہوگا ورنہ (سالسی) کوئی لفظ نہیں اور یہی کسرہ مصرعہ ثانی میں پڑھا جائیگا تو مصرعہ ثانی کا قافیہ مہمل ہو جائیگا اور اگر نہ پڑھا جائیگا تو مصرعہ اولی کا قافیہ مہمل رہے گا۔

کنوں عمر نزدیک ہشتاد شد   اُمیدم بہ یکبارہ برباد شد

بعض نسخوں میں ہشتاد کی جگہ ہفتاد ہے۔ عمر عربی لفظ ہے۔ پہلا مصرعہ تنہا پڑھا جائے گا تو سامع نہیں سمجھ سکیگا کہ شاعر کس کی عمر کو کہتا ہے۔

چو دیہیم دارش نہ بد در نژاد   ز دیہیم داران نیاورد یاد

یہ مضمون واقعیت اور تاریخ کے خلاف ہے اس لئے فردوسی مورخ کا نہیں ہوسکتا محمود سلطان سبکتگین کا بیٹا تھا۔ شہنشاہان ایران کی نسل سے تھا۔ اس کا نسب نامہ کتب تاریخ میں اس طرح منقول ہے

محمود بن سبکتگین بن قرحکم بن قرا ارسلان بن قرا ملت بن قرالمغان ابن فیروز بن یزدجرد شہنشاہ ایران (تاریخ فرشتہ) سبکتگین اصل میں ایک شہزادہ ایران کا تھا (ہسٹری آف انڈیا جارج ابن کنگ)

دونوں مصرعوں میں ایک ہی لفظ دیہیم دار آیا ہے یہ بھی معیوب ہے۔

یہ شعر بے محل بھی ہے یہ تو جب موزوں ہوتا کہ محمود یوں کہتا کہ ہم کو تاریخ کی ضرورت نہیں اسکو تو خود تاریخ کا سرپرست بتایا گیا ہے جھگڑا تو صرف انعام

کی کمی بیشی کا ہے پھر اس کا کیا محل ہے

اگر شاہ را شاہ بودے پدر　　بسر برنہادے مرا تاج زر

یہ شعر بھی تاریخ اور واقعیت کے خلاف ہے۔ ایک مورّخ شاعر ایسی صریح غلط بیانی کی جرأت نہیں کر سکتا۔ محمود سبکتگین کا بیٹا تھا اسمیں کسی مورّخ کو اختلاف نہیں اور کسی کو کسی قسم کی گنجایش نہیں مل سکتی۔ اہل کمال اس طرح ہجو لکھتے ہیں جس سے صراحت کے ساتھ امر واقعی کی نفی ہو

اگر مادر شاہ بانو بُدے　　مَا سیم و زر تا بزانو بُدے

یہ بھی واقعیت کے خلاف ہے۔ محمود کی والدہ امیر زابلستان کی بیٹی تھی۔ فردوسی نے خود اسی وجہ سے لکھا ہے (خجستہ حضرت محمود زاول کان دریا) بانو بیوی کو کہتے ہیں۔ محمود کی ماں سبکتگین کی بیوی تھی اسمیں کسی مورّخ کو اختلاف و شبہ نہیں۔ شاعر لونڈی زادہ کہنا چاہتا ہے غیر منکوحہ کی اولاد جیسا کہ اگلے شعر میں کہتا ہے مگر نہیں کہہ سکا

پرستار زادہ نیاید بکار　　اگرچہ بود زادہ شہریار

بعض نسخوں میں اگرچہ کی جگہ وگر چند ہے اس مطلب کیلئے بانو کا لفظ صحیح نہیں۔ شریف النجیب وغیرہ کوئی ایسا لفظ ہونا چاہئے تھا۔ یہاں پر شہریار زادہ تسلیم کر رہا ہے اوپر کے شعروں میں اس سے انکار تھا۔ یہ شعر کسی مجنون الحواس کے ہیں فردوسی کے نہیں ہیں

چو سلطان دین نبی و علی　　بفر الٰہی و شاہ ولی

یہ شعر مہمل ہے اسکا کچھ مطلب نہیں ہو سکتا۔ اس میں شاہ کا لفظ ہے جس